کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

# اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:15 Issue:8 August 2022

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

# آئینۂ مضامین



اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

# درسِ قرآن



# والدین قدرت کا انمول تحفہ ہیں ان کی قدر کریں

از: مولانا محمد عبد القادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ (سورۃ الاسراء:23)

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہونچ جائیں تو اُنھیں اُف تک نہ کہو، اور نہ اُنھیں جھڑکو، بل کہ اُن کے ساتھ عزت سے بات کرو، اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے اُن کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ اور یہ دعا کرو کہ یا رب! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے آپ بھی اُن کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔

توضیح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف خاندانوں، علاقوں، زبانوں، رنگوں، نسلوں میں تقسیم فرمایا تا کہ ایک دوسرے کا تعارف آسان ہوسکے، پھر ان کے درمیان رشتے ناطے بنائے، ان کے آپسی حقوق مقرر فرمائے، اور ان حقوق کی ادائیگی کو صلہ رحمی کا نام دیا، ان حقوق میں بعضے حقوق کو لازم قرار دیا، جتنا رشتہ نازک حقوق بھی اتنے نازک رکھے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام رشتوں میں ادائیگی حقوق اور اُخروی مواخذہ کے اعتبار سے نازک ترین رشتہ والدین کا ہوا کرتا ہے یہ بات تب سمجھ میں آتی ہے جب ہم قرآن کی ان آیتوں میں تفکر وتدبر کرتے ہیں جن میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی امر ہے، تو ان آیتوں میں لائی گئی تعبیرات وتاکیدات سے والدین کا مقام بلند معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے معاً بعد والدین کے حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کے حقوق کے متعلق ایک سائل کے سوال پر ارشاد فرمایا: والدین ہی تمہاری

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس

جنت یا جہنم ہے؛ ایک موقع پر نبی پاک ﷺ نے ان بدنصیب اولاد کے ذلیل وخوار ہونے کا ذکر تین مرتبہ فرمایا جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر ان کی راحت رسانی خدمت گزاری کر کے جنت نہ پا سکے، اللہ اکبر! یہ کس قدر ڈرنے کا مقام ہے زبانِ نبوت رحمت للعالمین ﷺ سے اس قدر سخت جملہ نکل رہا ہے اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نگاہِ نبوت میں والدین کا کیا اونچا مقام ہے۔

ایک شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھ یہ بوڑھا کون ہے؟ اس نے کہا یہ میرا باپ ہے، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا اپنے باپ کے آگے مت چلو، اپنے باپ سے پہلے مت بیٹھو، اپنے باپ کو نام سے مت پکارو اور اس کو گالی مت دو، آپ ﷺ نے جہاں ماں باپ کے آداب ذکر فرمائے وہیں ان کی عظمت کو بھی اجاگر کر دیا؛ ایک شخص دربارِ نبوت میں حاضر ہوا جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں زندہ ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا ان کی راحت رسانی میں جدو جہد کرو یہی تمہارا جہاد ہے، اس واقعہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جس وقت اسلام کو عددی طاقت کی ضرورت ہے ایسے نازک وقت میں اگر کوئی اپنی چاہت سے شریک جہاد ہونا چاہتا ہو اس کو بسا غنیمت سمجھنا چاہیے تھا، لیکن نبی پاک ﷺ نے ان کے والدین کے احتیاج کے پیش نظر ان کی خدمت وراحت کو نہ صرف جہاد پر مقدم کیا بلکہ ان کی خدمت ہی کو جہاد کے مثل ثواب والا قرار دے دیا۔

ان آیات واحادیث سے ماں باپ کا مقام بلند، ان کی عظمت، ان کے آداب وحقوق کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ قدرت کا متبرک، نایاب ترین تحفہ، رشتوں میں مخلص ترین رشتہ ہے، ماں باپ اپنی اولاد کو زمانہ بے شعوری سے تدریجاً شعور وکمال تک پہنچاتے ہیں، جب یہ اولاد شعور میں پختہ اور شباب میں کامل ہو جاتی ہے اب یہی بوڑھے ماں باپ اس کے لیے وبال جان بننے لگتے ہیں اور یہ اپنی ماضی کو فراموش کر بیٹھتی ہے، بعض محروم القسمت تو ماں باپ کے جانی دشمن بن کر اپنی رنگین زندگی سے ان کو دور کرنا چاہتے ہیں، یہ آج ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ بن چکا ہے، افسوس اس بات پر ہے کہ یہ بدنصیبی کبھی اغیار کا حصہ تھی آج ہماری دہلیز بھی پھلاند کر داخل ہو چکی ہے، ہماری تہذیب میں تو یہ تاثر تھا کہ جن گھرانوں میں بوڑھے ماں باپ ہوتے ہیں وہ پُر رونق ہوتے ہیں، ان کے تجربات سے گھر گھرستی باقی رہتی ہے، بچوں کی تربیت پر نظر رہتی ہے، جوانوں کے مزاج میں اعتدال رہتا ہے، گھر میں خیر وبرکت رہتی ہے، اس پیرانہ سالی میں بھی ایک طاقتور سہارے کا تصور باقی رہتا ہے۔ ضرورت ہے کہ کسی طرح مسلم سماج ماں باپ کی ناقدری، ایذا رسانی سے بچے اور پورے خلوصِ دل کے ساتھ ان کی خدمت وادب کو اپنی زندگی کا نصب العین اور فرض منصبی سمجھے۔ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا



درسِ حدیث

# نیک صحبت کا فائدہ، بُری صحبت کا نقصان

از: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

وعن أَبي موسى الأَشعَرِيِّ رضي الله عنه: أَن النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: إِنَّما مثَلُ الجلِيس الصَّالِحِ وَجَلِيسِ السُّوءِ: كَحَامِلِ المسْكِ، وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحامِلُ المسْكِ إِمَّا أَنْ يحذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تجدَ مِنْهُ رِيحاً طَيِّبَةً، ونَافِخُ الكِيرِ إِمَّا أَن يحرِقَ ثِيابَكَ، وإِمَّا أَنْ تجدَ مِنْهُ رِيحاً مُنْتِنَةً (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اچھے ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے کہ عطر فروش اور بھٹی پھونکنے والا۔ عطر فروش یا تو تمھیں عطر تحفے میں دے دے گا یا پھر تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) تمھیں اس سے خوش بو تو آئے گی ہی۔ جب کہ بھٹی میں پھونکنے والا یا تو تمھارے کپڑے جلا ڈالے گا یا پھر تمھیں اس سے بد بو آئے گی۔

تشریح: معاشرہ اور سماج میں انسان کو اچھے اور بُرے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، وہ جب بھی کسی اجتماعی ماحول میں ہوتا ہے یا تو اچھے ماحول میں ہوتا ہے یا خراب، اور اس کے اثرات اس کی زندگی میں نہایت خاموشی سے منتقل ہوجاتے ہیں، اس کے بڑے خواہ ماں باپ ہوں، یا اساتذۂ کرام و مربیان کرام ہوں یا مشائخ عظام اُسے اچھے ماحول کی ترغیب دیتے اور بُرے ماحول سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہتے ہیں، اس دنیا میں انسانوں کے سب سے بڑے محسن سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، وہ اس بات کی طرف امت کو توجہ نہ دلائیں ایسا ہو نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ آپ کی بعثت ہی انسانیت کو ترقیوں کے بام عروج پر پہنچانے کے لئے ہوئی ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت مفید و مؤثر انداز میں اس حقیقت کو امت کے سامنے رکھ دیا کہ "اچھی اور بُری صحبت کا بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے"۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی نصیحت کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اور آسان انداز میں بیان فرمایا ہے: "چوں کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ دوسرے انسان کے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہٰذا

خیالات وحالات سے بہت جلد اور بہت تیزی کے ساتھ اور بغیر کسی خاص کوشش کے اثر قبول کر لیتا ہے، اچھا اثر بھی اور بُرا اثر بھی؛ اس لئے اچھی صحبت بہت بڑے فائدہ کی چیز ہے، اور اسی طرح بری صحبت بڑے نقصان کی چیز ہے، اور اچھی صحبت ایسے شخص کی صحبت ہے جو ضرورت کے مطابق دین کی باتوں سے واقف بھی ہو اور جس کے عقیدے بھی اچھے ہوں، شرک و بدعت اور دنیا کی رسموں سے بچتا ہو، اعمال بھی اچھے ہوں، نماز روزہ اور ضروری عبادتوں کا پابند ہو، معاملات بھی اچھے ہوں، لین دین صاف ہو، حلال وحرام کی احتیاط رکھتا ہو، ظاہری اخلاق بھی اچھے ہوں، یعنی مزاج میں عاجزی ہو، بلا وجہ کسی کو تکلیف نہ دیتا ہو، غریبوں اور حاجت مندوں کو ذلیل نہ سمجھتا ہو، باطنی اخلاق بھی اچھے ہوں (یعنی) خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف دل میں رکھتا ہو، دنیا کی لالچ دل میں نہ رکھتا ہو، دین کے مقابلہ میں مال، راحت اور آبرو کی پروانہ کرتا ہو، آخرت کی زندگی کے سامنے دنیا کی زندگی کو عزیز نہ رکھتا ہو، ہر حال میں صبر وشکر کرتا ہو؛ جس شخص میں یہ باتیں پائی جائیں اُس کی صحبت اکسیر (یعنی لازمی طور پر اثر کرنے والی) ہے۔

اور جس شخص کو ان باتوں کی پوری پہچان نہ ہو سکے اس کے لئے پہچاننے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ اپنے زمانہ کے نیک لوگ (جن کو اکثر مسلمان عام طور پر نیک سمجھتے ہوں ایسے نیک لوگ) جس شخص کو نیک سمجھتے ہوں، اور دس پانچ بار اُس کے پاس بیٹھنے سے بُری باتوں سے دل ہٹنے لگے اور نیک باتوں کی طرف دل جھکنے لگے اس کو تم اچھا سمجھو اور اس کی صحبت اختیار کرو، اور جس شخص میں بُری باتیں دیکھی جاتی ہوں بغیر کسی سخت مجبوری کے اس سے ملنا جلنا مت کرو کہ اس سے دین تو بالکل تباہ ہو ہی جاتا ہے اور بعض دفعہ دنیا کا بھی نقصان ہو جاتا ہے، کبھی تو جان کا کہ کسی تکلیف یا پریشانی کا سامنا ہو جاتا ہے، اور کبھی مال کا کہ بری جگہ خرچ ہو گیا، دھوکہ میں آکر کسی کو دے دیا، خواہ محبت کے جوش میں آکر مفت دے دیا یا قرض کے طور پر دیا تھا پھر وصول نہ ہوا، اور کبھی آبرو کا نقصان ہوتا ہے کہ بُروں کے ساتھ یہ بھی رسوا اور بدنام ہوا، اور جس شخص میں نہ اچھی علامتیں معلوم ہوں نہ بُری علامتیں تو اس کے بارے میں تو نیک گمان رکھو، اس کی صحبت مت اختیار کرو، غرض نیک صحبت کو دین کے سنورنے میں اور دل کے مضبوط ہونے میں بڑا دخل ہے، اور اسی طرح بُری صحبت کو دین کے بگڑنے میں اور دل کے کمزور ہونے میں (بڑا دخل ہے)''۔

صحبتِ صالح تُرا صالح کند
صحبتِ طالح تُرا طالح کند

# پیش گفتار

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وبہٖ نستعین

تدریس وتبلیغ کے ساتھ تحریر کا کام بہت مشکل ہوتا ہے، بالخصوص حالات وحوادث کی روشنی میں امت کی صحیح راہ نمائی کی کوشش کرنا اور بھی زیادہ نازک کام ہے، جسے چند در چند ذمہ داریوں کی وجہ سے یکسوئی مُیسر نہ ہو اور استعداد بھی ناقص ہو تو وہ کیسے تمام ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوسکتا ہے؟ یہی صورتِ حال مدیر''اشرف الجرائد'' کا ہے کہ مدارس کی ذمہ داری ، پھر دعوت دین کے تقاضوں سے علاقے کے مسلسل اسفار نے تحریری وتصنیفی کاموں کو تقریباً معطل کر رکھا ہے، اشرف الجرائد کے مرتب مولانا خواجہ نصیر الدین صاحب اداریئے کے لئے یاد دہانی کراتے رہتے ہیں جب مایوس ہوجاتے ہیں تو کسی پرانے مضمون کو شامل کرکے پرچہ وقت پر جاری کردیتے ہیں، اس خصوص میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں۔

---

ملک کے موجودہ حالات کو ہر پہلو سے دیکھنے کی اور صحیح تجزیہ ومناسب اقدامات کو طئے کرنے کی بہت سخت ضرورت ہے، جہاں تک میں دیکھ سک رہا ہوں ان حالات کے حوالے سے امت کی راہ نمائی نا کے درجے میں ہے، کسی بھی قوم کا مسئلہ صرف اس کے دین کا نہیں ہوتا بل کہ جس جگہ وہ رہ رہا ہے اس جگہ اور اس ماحول کے خوش حال و پُرامن ہونے کا بھی ہوتا ہے بل کہ عبادت وبندگی میں کامیابی کے لئے بھی امن واطمینان کا نصیب ہونا ہی بہت اہم ہے، سب جانتے ہیں کہ اس وقت ملک ایک مخصوص ومتعصب فکر ونظر رکھنے والے گروہ کے قبضے

میں اس طرح جا چکا ہے کہ بہت دور تک اُن کے قبضے سے نکلنے کے امکانات موہوم ہیں، اختلاف میں اتحاد؛ ہمہ جہتی کے ساتھ یک جہتی جس کو ہم عرصے سے گنگا جمنی تہذیب کہتے آئے ہیں وہ اب تقریباً ختم ہو چکی ہے بل کہ حکم راں طبقہ بالا رادہ اسے ختم کرنے پر تُلا ہوا ہے، اب بھی بعض قائدینِ سیاست کہتے رہتے ہیں کہ عدالت کا فلاں فیصلہ اور حکومت کا فلاں اقدام اور فلاں بل جمہوریت کے لئے خطرہ ہے تو ان بیانات کا فائدہ جب ہوسکتا ہے جب کہ حکم راں جماعت جمہوریت سے اتفاق رکھتی اور اس کا احترام کرتی ہو، وہ لوگ جمہوریت ہی سے تو لڑ رہے ہیں اُنھیں جمہوریت کے نقصان کی اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے یہ تو اُن کے لئے خوشی کی خبر ہے اور جسے ہم خطرہ کہہ رہے ہیں وہ ان کی نظر میں بُغیہ اور لذیذ لقمہ ہے، مسلم قائدین، غیر مسلم عدل پسند وانصاف گستر قائدین سے مل کر کوئی مضبوط و مؤثر لائحہ عمل بناتے اور اُسے لے کر آگے بڑھتے تو شائد کچھ بات بھی بنتی، مگر جب مسلم قائدین ملت کے تئیں متحد نہیں اور غیر مسلم قائدین ملک کے واسطے مخلص نہیں تو اس کی توقع بھی کیسے کی جاسکتی ہے، حکم راں جماعت اپنے سو سالہ مرتب و مجرب نظام کو قدم بہ قدم آگے بڑھاتی جارہی ہے اور ان کے مقابلین کے پاس سوائے لفظی جمع خرچ اور خود فریبی وقوم فریبی کے منصوبوں کے اور کچھ نہیں۔ ایسے میں ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء کو چاہئے کہ وہ مسلکی و جماعتی مصلحتوں اور امتیازوں کو اپنی ذات اور جماعت تک محدود رکھتے ہوئے ملی مسائل میں پوری ملت کے حق میں ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کریں اور سب مل کر اُسے روبہ عمل لائیں، تا کہ ایک طرف حالات کا مؤثر مقابلہ ہو سکے دوسری جانب قوم کو اطمینان حاصل ہو کر وہ مایوسانہ غفلت یا جارحانہ اقدامات کی حماقت میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔

---

ایک مسئلہ جو خالص علماء کرام اور دینی و دعوتی تنظیموں کے غور کرنے کا ہے کہ اس وقت فکری الحاد وارتداد تیزی سے بڑھتا جارہا ہے، مغربی یونیورسٹیوں میں ٹرینڈ کئے گئے مسلم دماغ بہ جائے مدنی دین کے ایک مغربی دین کی وکالت انٹرنیٹ اور سوشیل میڈیا کو میدان بنا کر خوب کرتے جارہے ہیں، جس کے ذریعے سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے اسلاف سے کٹ کر رہ گیا ہے، ایسے لوگ چوطرف نظر آرہے ہیں جو اِن مغرب زدہ دعاۃ اسلام کی جدید وغیر متواتر تشریحات کو اللہ کا دین اور متوارث ومتواتر دین ــــ جس پر علمائے سلف وخلف کا اجماع ہے ــــ کو مُلّا کا دین بتاتے ہیں، ائمہ ومحدثین، فقہاء ومفسرین اور سلف صالحین کو نہ وہ جانتے ہیں نہ جاننا چاہتے ہیں قرآن وحدیث کے نام سے جاری متجدد دین کے افکار ونظریات کو اپنے مزاج و مذاق کے مناسب ہونے کی وجہ سے حقیقی دین اور حق کی دعوت مانتے نظر آرہے ہیں، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے راقم کا احساس یہ ہے کہ

اس دور میں افکار کا ٹکراؤ اقوام کے ٹکراؤ سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں خطرناک ثابت ہو رہا ہے، کیوں کہ پہلے سے دین اور آخرت برباد ہوتی ہے، دوسرے سے قوم اور دنیا تباہ ہوتی ہے، اور اس صورت حال کا حل یہ ہے کہ علماء کرام عوام الناس اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے فہم و مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُن تک اللہ کا دین یعنی کتاب وسنت کے احکام سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں زبان، عصری علوم کے اصطلاحات اور جدید ذرائع ابلاغ کا بھر پور استعمال کریں، اگر چہ جونیر علماء کا ایک بڑا طبقہ سوشیل میڈیا پر موجود ہے اور بہت وقت اسی پر لگا رہا ہے مگر یہ لوگ ٹائم پاس کرنے اور خبروں کو ادھر اُدھر کرنے میں مشغول ہیں، یا پھر اپنی انفرادی آراء کے اظہار اور اپنے ہی علماء پر تنقیدوں میں لگے ہوئے ہیں، یہ کوئی کام نہیں، یہ تو کام کو اور وقت کو ضائع کر کے دل کو دین کی خدمت کی جھوٹی تسلی دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مغرب کے تربیت یافتہ دعاۃِ دین کہاں کہاں سے کیا کیا پھیلا رہے ہیں، اُن پر نظر رکھی جائے اور انہی کے انداز و اسلوب میں نیز تحقیق و استدلال کے ساتھ ان کے رد و قدح اور قلع قمع کی مسلسل وان تھک جد و جہد کی جائے۔

---

شمالی ہندوستان کی عظیم اور نہایت بابرکت و بافیض شخصیت حضرت مولانا مفتی حکیم مکرم حسین صاحب گذشتہ دنوں جوارِ الٰہی میں پہنچ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرتؒ اس دور میں اکابر کا نمونہ اور ان کی یادگار تھے، حضرت رائے پوریؒ کے غالباً آخری خلیفہ تھے، حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل اور امت کو نعم البدل نصیب فرمائے۔ آمین۔ تفصیل کے لئے اسی شمارے میں شامل مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام علی النبی الکریم

گوشۂ سیرت

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچپن ہی سے اللہ کی حفاظت میں تھے

از: مرتب

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے کبھی ان اُمورِ جاہلیت کا ارادہ نہیں کیا جن میں جہلاء، عورتوں کا قصد کرتے ہیں، ہاں! دو راتیں ایسی گذریں ہیں جن میں اللہ نے میری حفاظت فرمائی۔

جس زمانے میں ہم نوجوان اپنے گھر والوں کی بکریاں چَرایا کرتے تھے، میں نے اپنے ایک مکہ کے رہنے والے دوست سے کہا: ذرا میری بکریاں دیکھتے رہنا، کہ میں مکہ جا کر وہ باتیں سن آؤں جو نوجوان راتوں کو سنا کرتے ہیں، اس نے کہا: ٹھیک ہے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: جب میں مکہ میں پہلے مکان کے پاس پہونچا تو مجھے ڈھول تاشے اور موسیقی کی آواز سنائی دی، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ فلاں فلاں کی شادی ہے تو میں دیکھنے بیٹھ گیا، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی نیند غالب کی صبح دھوپ کی تپش سے ہی بیدار ہوا، میں واپس دوست کے پاس چلا گیا، اس نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا کچھ نہیں، بس جو ہُوا وہ بتا دیا۔

پھر کسی شب میں نے اپنے ساتھی سے اسی طرح کی خواہش کی وہ رضا مند ہو گیا، میں مکہ گیا کہ کچھ باتیں سُن آؤں، جب مکہ آیا تو اب بھی پہلی جیسی آوازیں ہی تھیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ شادی ہے، میں دیکھنے بیٹھ گیا پھر اللہ نے ایسی نیند طاری کر دی کہ بہ خدا صبح کی دھوپ سے میں بیدار ہوا، واپس اپنے دوست کے پاس آکر جو ہُوا اُسے بتا دیا؛ پھر کبھی میں نے ان چیزوں کا قصد کیا نہ کبھی ایسی محفلوں میں شریک ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اعزاز نبوت کا شرف بخشا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۲۷)

**فائدہ:** اللہ پاک نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بچپن ہی سے ہر طرح کی جاہلانہ رسومات، خرافات اور معصیات سے محفوظ رکھا۔ صلی اللہ علی النبی الکریم وسلم تسلیما کثیراً وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین

گوشۂ خواتین

# اسلام کی باکمال خواتین

## حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا خباط کی بیٹی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آباء واجداد اور خاندان کا کوئی پتہ نہیں چلتا، کتب سیر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں مکہ کے ایک رئیس ابوحذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں، بعثتِ نبوی کے تقریباً پینتالیس سال قبل کی بات ہے، اسی زمانہ میں ایک قحطانی النسل صاحب یاسر بن عامر اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ آئے اور یہیں کی مستقل سکونت اختیار کرلی اور ابوحذیفہ بن المغیرہ المخزومی کے حلیف بن گئے، اس نے اپنی کنیز سمیہ رضی اللہ عنہا کی شادی یاسر بن عامر سے کردی، انہیں کے صلب سے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں دو بیٹے تولد ہوئے، عبداللہ اور عمار رضی اللہ عنہم۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا شمار عظیم صحابیات میں ہوتا ہے، ان کو اسلام کی راہ میں سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنے کا شرف حاصل ہے۔

### قبول اسلام اور تکلیفیں

ان کے ایامِ پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیہؓ، یاسرؓ اور عمارؓ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا، تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا (كانت سابع سبعة فى الإسلام) (أسد الغابة: سمیہ بن عمار: ۷/۱۵۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) اس وقت تک ابوحذیفہ مخزومی کا انتقال ہوچکا تھا، حضرت سمیہؓ ان کے ورثاء کی غلامی میں تھیں، کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم وستم شروع ہوگیا اور بہ تدریج بڑھتا گیا، چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کردیا؛ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں، جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ

---

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

میں کھڑا کرتے ؛ لیکن ان کے عزم واستقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ ظلم وستم سرد پڑ جاتا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر سے گزرتے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے آل یاسر! صبر کرو، اس کے عوض تمہارے لئے جنت ہے۔ ”صبرا آل یاسر موعدکم الجنة “ ( أسد الغابة: سمیہ بن عمار: ۷/ ۱۵۲، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ) بوڑھے یاسرؓ یہ ظلم وستم سہتے ہوئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ،حضرت سمیہؓ اوران کے بچوں پر یہ ظلم وستم جاری رہا۔

## شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کونجات ملتی تھی ، ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ان کی اندام نہانی میں ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جان بحق تسلیم ہوگئیں ، اناللہ وإنا الیہ راجعون۔”فجعل يشتم ويرفث ، ثم طعنها في قبلها فقتلها“ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب: ۴/ ۱۸۶۵، دار الجیل ، بیروت ) ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے حضرت سمیہؓ کے فرزند عبداللہ کو بھی شہید کر دیا۔

حضرت عمارؓ کو اپنے والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر شکوہ کناں ہوئے کہ اب تو حد ہوگئی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ”خداوند! آل یاسر کو جہنم سے بچا“ (اللهم لا تعذب من آل ياسر بالنار “ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب: ۴/ ۱۸۶۳، دار الجیل ، بیروت ) یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے،اس بناء پر حضرت سمیہ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں ، رضی اللہ عنہا۔

غزوہ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کردیا“ (قد قتل الله قاتل أمك )۔

( طبقات ابن سعد: سمیہ بنت خباط :۸/ ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ ، بیروت )

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت ہجرت نبوی سے کئی سال پہلے واقع ہوئی ، اس لئے تمام اہل سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی سب سے پہلی شہید خاتون ہیں۔”اول شهيد استشهد في الاسلام “ ( طبقات ابن سعد: سمیہ بنت خباط :۸/ ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ ، بیروت )

تذکارِ صحابہؓ

# موذنِ رسول سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانیؔ قاسمی*

طلوعِ اسلام کی پہلی کرن کے ساتھ ہی حضرت بلال حبشیؓ کا وجود نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا اور وہ حلقہ بہ گوشان اسلام کے اولین دستے میں شامل ہو چکے تھے، امام ابونعیم اصبہانی کے مطابق آپؓ کا شمار بھی اصحابِ صفہ اور بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر باش صحابہؓ میں ہوتا ہے، آپؓ ہر وقت خدمتِ اقدس میں موجود رہتے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو خادم جاں نثار کی طرح ساتھ ساتھ چلتے، عیدین واستسقاء کے مواقع پر بلّم لے کر آگے آگے دوڑتے، وعظ و پند کی مجلسوں میں بھی نیازمندانہ شریک ہوتے، افلاس وناداری کے باوجود جو کچھ میسر آجاتا، اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے اور موقع ملتے ہی پیش فرما کر دعائیں لیتے۔ آپؓ کی آواز نہایت بلند و دل کش تھی، آپ کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ آپ کی جانب متوجہ ہو جاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانۂ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، الصلوۃ یا رسول اللہ! اللہ کے رسول! نماز تیار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ اس طرح حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز ایک لمبے زمانے تک بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں سر بہ سجود ہونے کے لیے صف بہ صف کھڑا کرتی رہی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث، بہ حوالہ انوارِ اسلام)

## مختصر سوانحی نقوش:

**نام ونسب:** آپ کا نام نامی: بلال، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ ہے، آپ عرب میں پیدا ہوئے اور حافظ ابن عساکر کا اندازہ ہے کہ عام الفیل سے تقریباً تین سال قبل آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی پرورش و پرداخت عربوں کے درمیان ہوئی، آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہم عمر تھے۔ (مستدرک ۳/۹۱۳) آپ کا ایک بھائی خالد، اور ایک بہن عفرۃ ہیں، والدہ سمیت ان تمام حضرات نے اسلام قبول کیا۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

**حلیہ:** حضرت مکحول فرماتے ہیں: جن لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کا رنگ گہرا گندمی، جسم دبلا پتلا، قد لمبا، پیٹھ میں قدرے جھکاؤ تھا اور ہلکے رخسار والے تھے، آپ کے بالوں میں سفیدی کے آثار تھے؛ مگر خضاب نہیں لگاتے تھے۔ (اسد الغابۃ)

**ازواج:** حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، بنی زہرہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا؛ لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (طبقات ابن سعد)

**مرویات:** علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ کی کل مرویات چالیس (۴۰) ہیں، آپ سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبارِ تابعین نے روایت لی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ؛ تابعین میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ، حضرت اسود رحمہ اللہ، حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ اور حضرت ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ وغیرہ نے آپ سے روایت نقل کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

## قبول اسلام کا پس منظر:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سردارانِ قریش میں سے ایک نامور شخص اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، اُس دور میں غلاموں کی جو زندگی ہوا کرتی تھی، ویسی ہی زندگی آپ رضی اللہ عنہ بھی گزار رہے تھے، شب و روز بلا چون و چرا آقا کی خدمت اور اس کے لیے محنت و مشقت، بس یہی مقصدِ حیات اور حاصلِ زندگی تھا۔ انہی دنوں مکہ شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چرچے ہونے لگے، تب سردارانِ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کا مذاق اُڑایا کرتے اور خوب ٹھٹا کرتے، ان بیہودہ حرکتوں میں حضرت بلال کا آقا امیہ بن خلف سب سے پیش پیش رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازیبا الفاظ اور اخلاق سے گرے ہوئے کلمات کا استعمال کرتا تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کانوں تک یہ تمام باتیں پہنچتی رہتی تھیں، وہ قریش کے ناروا ظلم کو بھی دیکھتے اور اس کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت کا بھی مشاہدہ کرتے۔ اس حوالے سے ایک عجیب و غریب بات جو اُن دنوں بلال رضی اللہ عنہ نہایت شدت کے ساتھ محسوس کیا کرتے تھے، وہ یہ کہ ان کا آقا امیہ بن خلف نیز اس کے ہم نوا رؤسائے قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوب مذاق بھی اڑایا کرتے تھے؛ لیکن ساتھ ہی وہ اکثر و بیشتر آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے یوں بھی کہا کرتے تھے کہ "بہ خدا ہم نے کبھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا، خیانت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، غداری، بے وفائی اور وعدہ خلافی کرتے ہوئے نہیں پایا"۔

حضرت بلالؓ کو بڑی حیرت ہوتی کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کا مذاق بھی اڑاتے ہیں، جھٹلاتے بھی ہیں، بیہودہ گوئی بھی کرتے ہیں، ایذاء بھی پہنچاتے ہیں؛ لیکن باہم ہمیشہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق وکردار کی خوب تعریف بھی کیا کرتے ہیں، یہ تو بڑا ہی عجیب معاملہ ہے۔ بلال اکثر ان رؤسائے قریش کو اسی بارے میں باہم سرگوشیاں کرتے ہوئے سنتے، آپ کی سماعت سے وقتاً فوقتاً ان کی باتیں ٹکراتی رہتیں، آخر کافی دنوں تک ان کی یہ سرگوشیاں مسلسل سنتے رہنے کے بعد بلال اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ تمام رؤسائے قریش رسول اللہ ﷺ کی حقانیت وصداقت سے خوب واقف؛ بل کہ اس کے معترف ہیں؛ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کی مخالفت اور بغض وعناد پر صرف اس لیے کمر بستہ ہیں کہ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنا انہیں گوارا نہیں اور اپنی سرداری وبالادستی کے ختم ہوجانے کا سخت اندیشہ ہے۔

غرض اسی کیفیت میں وقت گزرتا رہا، رفتہ رفتہ بلالؓ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہونے لگی کہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی جائے، اور ان کی گفتگو براہِ راست سنی جائے۔ چنانچہ ایک روز موقع پاکر بلال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ کی مبارک گفتگو سنی، جس سے بے انتہا متاثر ہوئے، اور دعوتِ حق پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہوگئے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں: سب سے پہلے جن لوگوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، سات افراد ہیں: (۱) جناب محمد رسول اللہ ﷺ (۲) حضرت ابوبکرؓ (۳) حضرت عمارؓ (۴) حضرت سمیہؓ (۵) حضرت بلالؓ (۶) حضرت صہیبؓ (۷) حضرت مقدادؓ۔ (سیر اعلام النبلاء)

## ظلم وستم کی بھٹی میں:

حضرت بلالؓ نے جیسے ہی اسلام قبول کیا، اُمیہ نے آپ پر ظلم وستم، جور وجفا اور جبر وتشدّد کے دہانے کھول دیے، اذیت وتکلیف کے ممکنہ حربے استعمال کیے اور طرح طرح سے آپ کو ستایا؛ مگر صہبائے توحید سے مخمور حضرت بلالؓ چٹان کی طرح اپنے ایمانی موقف پر ڈٹے رہے۔ اپنے ظالم آقا اُمیہ بن خلف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہ بانگ دہل کہتے رہے کہ ''میرے جسم پر تمہارا زور چل سکتا ہے؛ مگر میں اپنا دل اور اپنی جان محمد اور محمد کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں''۔ اُمیہ حضرت بلالؓ کو جھلستی دوپہر میں گھر سے نکال کر حرہ کی تپتی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر سینے پر رکھ دیتا؛ تاکہ وہ جنبش تک نہ کرسکیں، کبھی انہیں بھوکا پیاسا رکھ کر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتا، کبھی لات وعزیٰ کو معبود منوانے کے لئے غیر انسانی سلوک کرتا، کبھی گردن میں رسی ڈال کر اوباش قسم کے لونڈوں کے حوالے کردیتا، وہ مکہ کی گھاٹیوں میں جلتی ریت پر انہیں اوندھے منہ گھسیٹتے اور باپ دادا کے

دین میں واپس آنے پر مجبور کرتے؛ مگر اس مردِ آہن اور مومن کامل کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی، ظلم کی چکی جس قدر تیز چلتی اتنے ہی ایمان، عزم اور حوصلے کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ کے لبوں پہ توحید کا ترانہ جاری ہو جاتا۔ اللہ کو اپنے اس مظلوم بندے کی عاشقانہ ادائیں پسند آئیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلال کا صبر وشکر، عزم واستقلال اور اس گوہر نایاب کو مظالم کی چکی میں پِستا دیکھ کر بہت مغموم ودِل گرفتہ ہوئے، بالآخر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منہ مانگی قیمت پر اُمیہ سے بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ اب بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی تپتی ریت کے پیہم مظالم سے نجات پا کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامانِ رحمت کی ٹھنڈی چھاؤں میں چلے آئے، تب سے سایہ کی طرح اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں سے لگے رہے اور دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری پائی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا اور فرمایا کہ اے بلال! کس عمل کی وجہ سے تم گزشتہ رات جنت میں (خادمانہ حیثیت سے) میرے آگے آگے چل رہے تھے، میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور جب بھی میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو میں اسی وقت وضو کر لیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اسی عمل کی وجہ سے ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم)

## اذان کے لیے انتخاب:

سن تیرہ نبوی میں ہجرتِ مدینہ کا حکم نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر تمام مسلمانوں نے اپنا آبائی شہر مکہ اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر محض دین وایمان کی حفاظت کی خاطر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ انہی مہاجرین میں حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد فوری طور پر مسجدِ نبوی کی تعمیر کا مقدس ترین کام انجام دیا گیا، جس میں عام مسلمانوں کے شانہ بشانہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنفس نفیس تعمیری امور میں شریک رہے اور لکڑی، پتھر، مٹی وغیرہ سامانِ تعمیر اپنے کندھوں پر ڈھوتے رہے، جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی تو یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ہر نماز باجماعت کے وقت سب کو مطلع کیسے کیا جائے؟ چناں چہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو خواب کے ذریعہ کلمات اذان کی تلقین کی گئی اور جب اس مقصد کے لیے ''اذان'' کی مشروعیت ہوئی تو یہ سوال درپیش ہوا کہ ہر روز پابندی کے ساتھ پانچ بار مسجدِ نبوی سے ''اذان'' دینے کا فریضہ کون انجام دے گا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ انتخاب حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ پر پڑی، جو ابتدائے اسلام سے ہی ''اَحد، اَحد'' کا نغمۂ جاوداں گنگناتے چلے آرہے تھے، اور اسی کو انہوں نے شب وروز اپنا ورد بنا رکھا تھا؛ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''اذان'' کے لیے بھی انہی کو منتخب فرمایا، تاکہ شام وسحر اللہ رب العزت کی تکبیر وتہلیل کا مقدس ترین فریضہ بھی یہی انجام دیں۔

اس طرح سالہا سال تک حضرت بلال بن رباحؓ کی انتہائی موثر و دل نشیں آواز میں یہ اذان مدینہ کی فضاؤں میں گونجتی رہی، اور اہلِ ایمان کے دلوں کو گرماتی رہی، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مبارک انتخاب کے نتیجے میں حضرت بلالؓ تاریخِ اسلام کے اولین موذن مقرر ہوئے، جو کہ یقیناً بہت بڑا اشرف اور اعزاز تھا۔

(ملخص از اصحاب الرسول، ذکر موذن رسول: ۲۴۰)

## عہدِ نبوی اور اس کے بعد:

حضرت بلالؓ تمام مشہور غزوات میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم راہ شریک رہے، غزوۂ بدر میں آپؓ نے دشمن اسلام امیہ بن خلف کو واصل جہنم کیا جو آپ کی ایذارسانی میں سب سے پیش پیش تھا۔ فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف بھی آپ کے حصے میں آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو بھی معیت کا فخر حاصل تھا۔ (کتاب المغازی باب دخول النبی ﷺ من اعلی مکۃ) انہیں حکم ہوا کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پر عظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا کی قدرت کہ وہ حریم قدس جسے ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونج اٹھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے تو آپ کی رحلت کا سانحہ نہایت اندوہناک سانحہ تھا، جس کی وجہ سے تمام مدینہ شہر میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی، ہر کوئی غم کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا، یہی کیفیت حضرت بلال بن رباحؓ کی بھی تھی، اسی کا یہ اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب انہوں نے مسجدِ نبوی میں اذان دینے کا سلسلہ ترک کر دیا؛ کیوں کہ دورانِ اذان جب وہ ''اشہد ان محمدا رسول اللہ'' پر پہنچتے تو بہت اداس ہو جاتے، آواز گلوگیر ہو جاتی اور اذان مکمل کرنا دشوار ہو جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب مدینہ میں بلال بن رباحؓ کا دل بھی نہیں لگتا تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ملکِ شام میں جو اسلامی فوج رومیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے، میں بھی وہاں چلا جاؤں، اور اپنی باقی زندگی ان سپاہیوں کے شانہ بشانہ اللہ کے دین کی سربلندی میں گزار دوں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت بلالؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولین جانشین اور خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اجازت چاہی، مگر حضرت ابوبکرؓ نے منع کر دیا اور اصرار کیا کہ: ''بلال! آپ ہمیں چھوڑ کر مت جائیے''، لیکن بلالؓ جانے پر مُصر تھے، دونوں جانب سے اصرار و انکار کا سلسلہ چلتا رہا۔ آخر حضرت بلالؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اگر آپ اس وجہ سے مجھے جانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ آپ نے مجھے مکہ میں

اُمیہ سے خرید کر آزاد کیا تھا، تب تو ٹھیک ہے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں! اور اگر آپ نے مجھے محض اللہ کی رضا کی خاطر آزاد کیا تھا تو میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ مجھے مت روکیے، مجھے جانے کی اجازت دے دیجئے‘‘۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ بات سنی تو انہیں مدینہ سے ملکِ شام چلے جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے ملکِ شام منتقل ہوئے، اور وہاں اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر جدوجہد میں مشغول ومنہمک ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو ان سے بھی شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی، اور خلیفۂ اول کی طرح خلیفہ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا؛ لیکن جوشِ جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل ہوئی، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔ (بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۶ھ میں فتح بیت المقدس کے موقع پر شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہم رکاب رہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے: گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسی لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بے تاب ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو پڑے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت ولذت محسوس کی۔ (تاریخ طبری واسد الغابہ: ۱/ ۲۰۸)

## حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور قبر اطہر کی زیارت:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیام شام کے زمانے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ’’بلال یہ کیا بے وفائی ہے؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے (مدینہ) آؤ!‘‘ بلال رضی اللہ عنہ گھبراہٹ کی عالم میں نیند سے بیدار ہوئے، سواری پر سوار ہوئے۔ اُفتاں خیزاں مدینہ منورہ پہنچے، اور قبر مبارک پر حاضری دی، وہاں روتے رہے، اپنے چہرے کو قبر مبارک پر ملتے رہے۔ اتنے میں حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ آ گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دونوں کو گلے سے لگالیا، پیار کیا، نواسوں نے فرمائش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو اذان آپ دیا کرتے تھے ہم وہی اذان سننا چاہتے ہیں، اوپر چڑھیے اور اذان دیجیے، بلال رضی اللہ عنہ اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے، اذان شروع کی، ’’اللہ اکبر، اللہ اکبر‘‘ کہا تو سارا مدینہ حرکت میں

آ گیا،''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' کہا تو یہ حرکت شدید ہوگئی،''اشھد ان محمداً رسول اللہ'' کہا تو عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور لوگ سوالیہ انداز میں کہنے لگے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دوبارہ) مبعوث کر دیئے گئے؟ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جتنا اس دن مدینہ کی عورتیں اور مرد روئے اتنا رونا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا''۔(تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵ ص ۲۶۵)

## وفات:

حضرت بلالؓ نے شام ہی کو اپنا وطن بنالیا تھا، وہیں پر تادم حیات مقیم رہے، اپنی وفات سے ایک دن پہلے گھر والوں سے فرمانے لگے:''غداً نلقى الأحبة، محمداً و حزبه'' کل ہم اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام سے ملاقات کریں گے۔ یہ سن کر اہلیہ محترمہ نے کہا وَاوَیلاہ! ہائے افسوس! ہائے میری تباہی و بربادی! تو حضرت بلالؓ نے فرمایا: وَافرحاہ! یہ کیا ہی خوشی کی بات ہے! واہ میری خوشی و مسرت کہ کل اپنے محبوب کی زیارت نصیب ہوگی۔

اکثر مورخین کی رائے ہے کہ حضرت بلال کی وفات امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۲۰ھ دمشق میں ہوئی اور اس وقت عمر مبارک ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔''باب الصغیر'' یا ''باب کیسان'' میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رضی اللہ تعالی عنہ و ارضاہ (الاصابۃ:۱/ ۲۰۴)

اصلاحی مضامین

قسط (۲)

# استغفار کے فوائد وثمرات؛ قرآن مجید کی روشنی میں

از قلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

## (10) استغفار؛ نزولِ رحمت کا سبب ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ يٰقَوۡمِ لِمَ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ‌ ۚ لَوۡلَا تَسۡتَغۡفِرُوۡنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ‏ ﴿۴۶﴾ (آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے ہو؟ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔) (سورۃ النمل)

حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا لیکن ان کی قوم کے لوگ دو گروہ میں بٹ گئے اور اپنے رسول سے مطالبہ کیا کہ يٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ‏ ﴿۷۷﴾ اے صالح! اگر تو پیغمبروں میں سے ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ، جس کی دھمکیاں تو ہم کو دے رہا ہے، تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ سے معافی کے طلب گار کیوں نہیں ہوتے کہ تم پر رحم کیا جائے (اور تمہاری توبہ کو قبول کر لیا جائے جب عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا تو پھر توبہ قبول نہ ہوگی)۔ اس سے معلوم ہوتا کہ استغفار کرنا اور اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنا نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہے بلکہ اجتماعی عذابوں سے بچاؤ کا ذریعہ بھی ہے۔

## (11) استغفار؛ عذابوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ‌ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔ (سورۃ انفال: ۳۳)

ائمہ تفسیر نے مدائنی کے حوالے سے اس آیت کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عرب میں ایک آدمی تھا وہ اپنی ذات پر بہت فضول خرچی کرتا تھا اور وہ گناہ سے نہ بچتا تھا، جب

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اس نے اونی لباس پہنا اور اپنے تمام برے اعمال سے توبہ کر لیا، استغفار کرنے لگا، اور دین پر چلنے لگا، رفتہ رفتہ لوگوں کے سامنے اسکی طاعت وعبادت بھی ظاہر ہوگئی، تو لوگوں نے کہا کہ: اگر تو یہی عمل اس وقت کرتا جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے تو یقیناً نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے خوش ہوتے، تو اس نے بڑا عجیب دیا اور کہا: میرے لیے دو امانیں ہیں، ایک گزر گئی اور دوسری باقی ہے لوگوں نے پوچھا: وہ دو امان کیا ہیں؟ تو اس نے یہ آیت پڑھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ یہ ایک امان ہے اور دوسری آیت: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ہے۔

نیز اسی طرح کا ایک قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ: ارض کائنات میں دو امان دیئے گئے، زمین کے دو امان میں سے ایک تو اٹھالیا گیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور دوسرا باقی رہ گیا اور وہ استغفار ہے، اس کو مضبوط پکڑلو۔ (روح کی بیماریوں کا علاج، ص: ۳۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک امت مسلمہ استغفار کی کثرت کرتی رہے گی، اللہ تعالیٰ اس امت کو عذابات سے محفوظ فرمادیں گے، اس لیے کہ وہ رحیم وکریم رب ہے کہ جب بھی معافی مانگی جائے، فوراً معاف فرمادیتا ہے، لیکن ہم استغفار کرنے یعنی معافی مانگنے میں بھی غفلت برت کر محروم ہوتے ہیں۔

## (12) استغفار قربِ الٰہی اور قبولیتِ دعا کا سبب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ (اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو بیشک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے) (سورۃ ہود: ۶۱)

یہ آیت کریمہ بھی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سے متعلق ہے اس آیت کریمہ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں پہلا لفظ: قَرِيْبٌ یعنی جب بندہ اپنے گناہوں پر نادم اور پشیماں ہو کر استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہو جاتے ہیں اور اسکی توبہ کو قبول فرما کر اپنا قرب عطا فرماتے ہیں۔

دوسرا لفظ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُّجِيْبٌ استعمال فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے وہ استغفار کرنے والوں کو نہ صرف قرب عطا فرماتا ہے بلکہ ان کی دعائیں بھی قبول کرتا ہے، سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ سے مضمون بہت واضح ہوجاتا ہے۔

## (13) استغفار؛ رحمت باری حب الٰہی کا سبب ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ (تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے)۔(سورۃ ہود: ۹۰) اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ نے استغفار اور توبہ کے حکم کے بعد بھی اپنی صفت کے مزید دو عظیم لفظ ارشاد فرمائے ہیں پہلا لفظ رَحِيْمٌ اور دوسرا لفظ وَّدُوْدٌ ہے ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی صفاتِ عالیہ میں ایک بہت نمایاں صفت اللہ کی شانِ رحمت ہے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اسی رحمت کا تذکرہ فرمایا ہے: رَبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۔(الانعام: ۱۴۷) تمہارا رب بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۔(الاعراف: ۱۵۶) میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۔(الکھف: ۵۸) تمہارا رب بہت بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

یہ اور ان جیسی سینکڑوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار اور توبہ خدا تعالیٰ کی رحمت خاصہ کے نزول کا سبب ہے جس سے وہ بندہ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

دوسرا لفظ وَّدُوْدٌ ہے یہ لفظ وَدٌّ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے خالص محبت اور اللہ تعالیٰ پر اس اسم کا اِطلاق دو طرح سے ہوتا ہے۔(1) اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار اور ان بندوں سے جو توبہ و استغفار کر کے اپنے رب کو راضی کرتے ہیں ان سے محبت فرماتا ہے کہ وہ ان کے اعمال سے راضی ہوتا ہے اور ان کی اطاعت گزاری کے بدلے ان پر لطف و احسان فرماتا ہے اور اطاعت گزاری کی وجہ سے ان کی تعریف بھی کرتا ہے۔(2) اللہ تعالیٰ محبوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی کثرت کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں۔(بہ حوالہ تفسیر خازن بتغییر یسیر، ہود، تحت الآیۃ: ۹۰، ۲/ ۳۶۸)

## (14) استغفار کرنے والا؛ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ (اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں کہ اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔)(سورہ آل عمران: ۱۳۵)

انسان سے بوجہ بشریت گناہ کا صدور ممکن ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ گناہ ہوجانا اور چیز ہے اور گناہ کرتے رہنا اور چیز ہے، اور جو سب سے زیادہ قابل ملامت ہے وہ معصیت پر جم جانا اور مصر ہو جانا ہے یعنی مسلسل گناہ کرتے رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بُرا ہے، لیکن گناہ کے بعد اگر کوئی استغفار بھی کر رہا ہے تو اللہ کے نزدیک ایسا شخص گناہوں پر اصرار کرنے والا نہیں شمار ہوگا۔ جاری۔۔۔۔۔

# موبائل

| | | |
|---|---|---|
| گناہوں سے بچنے میں حائل موبائل | | ہمارے سدھرنے میں حائل موبائل |
| بظاہر مسلماں ہیں لیکن یہ دل کے | | مسلمان بننے میں حائل موبائل |
| جو خطبات دلدل سے دل کو نکالیں | | وہ خطبات سننے میں حائل موبائل |
| جو رستے کی منزل رضائے خدا ہو | | وہ رستے پہ چلنے میں حائل موبائل |
| بزرگوں سے ملنا سعادت ہے لیکن | | بزرگوں سے ملنے میں حائل موبائل |
| لباس اور چہرے سنورنے لگے ہیں | | دلوں کے سنورنے میں حائل موبائل |
| جہنم سے واقف ہیں سارے مسلماں | | جہنم سے ڈرنے میں حائل موبائل |
| موبائل سے دوری ضروری ہے ہدہد | | مگر یہ سمجھنے میں حائل موبائل |

اصلاحی مضامین

# تقویٰ اور پرہیز گاری کے دنیاوی منافع

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر*

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" وکان الانسان عجولا" (الاسراء:١١) یعنی قدرتی طور پر انسان بڑا سریع الطبع اور جلد باز واقع ہوا ہے، ہر چیز کا ثمرہ اور ہر کام کا نتیجہ نقد چاہتا ہے، جب کسی شیٔ کے منافع بالفعل نظر آتے ہیں تو اس کی طرف لپکتا ہے، اور کسی عمل کے نتائج وقت طلب ہوں تو اس کی طرف اقدام سے توقف کرتا ہے، چوں کہ دنیا انسان کے لیے قریب اور حاضر ہے اور دنیا میں ملنے والی منفعت کی طرف انسان طبعی طور پر راغب ہوتا ہے، اس لیے اگلی سطور میں آیات قرآنیہ کی روشنی میں تقویٰ اللہ اور پرہیز گاری کے وہ منافع اور فوائد جو انسان کو دنیا میں ہی مل جاتے ہیں ذکر کیے جاتے ہیں۔

تقویٰ" وقایہ" سے مشتق ہے جس کے لغوی معنیٰ ہے" حفظ الشیء مما یوذیه و یضره" یعنی مضرت رساں چیزوں سے بچنا، تقویٰ کی شرعی مراد کی توضیح میں سلف سے مختلف باتیں منقول ہیں، حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ تقویٰ کا مطلب" رب جلیل سے ڈرنا، تنزیل مجید (قرآن پاک) پر عمل کرنا، شیٔ قلیل پر قناعت کرنا، اور یوم رحیل یعنی روز قیامت کی تیاری کرنا" ہے (ص ١٧٧/رشیف ملتقی اهل الحدیث شاملہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ تو آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تم کبھی خاردار راستے سے گزرے ہو؟ تو اس نے کہا جی ہاں! تو آپ نے اس سے سوال کیا تم اس وقت کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں اپنے دامن کو محفوظ رکھتے ہوئے، کانٹوں سے بچتے ہوئے، نہایت احتیاط کے ساتھ وہاں سے گزرتا ہوں، تو حضرت نے فرمایا اسی کا نام تقویٰ ہے؛ (رواہ البیہقی فی الزهد الکبیر)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی سے مکمل طور پر بچا جائے، اس کو ہمیشہ اس طرح یاد کیا جائے کہ کبھی نسیان نہ ہو اور اللہ تعالی کا شکر بجالایا جائے اور ناشکری سے بچا جائے۔ (مستدرک حاکم ٢/ ٢٩٤)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

مفسر قرآن ابو سعودؒ کہتے ہیں کہ تقویٰ کا مطلب آخرت میں نقصان دینے والی چیزوں سے مکمل طور پر بچنا ہے، (تفسیر ابو سعود: ۱/ ۲۷) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آفات دنیا سے بچنے کا نام تقویٰ ہے، غرض علماء کے مختلف اقوال ہیں، تمام کا حاصل اور خلاصہ وہ ہے جس کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ماموراتِ الٰہیہ کا التزام کرے اور منہیاتِ شرعیہ سے اجتناب کرے۔ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ۳/ ۱۲۰)

تقویٰ کا اصل فائدہ تو انسان کو آخرت میں ملے گا، اور تقویٰ اختیار کرنے میں نیت بھی آخرت ہی کی ہونی چاہیے، لیکن عند اللہ یہ اتنی محبوب اور پسندیدہ شئ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی اور پرہیز گار بندوں کو دنیا ہی میں طرح طرح کے انعامات سے سرشار فرماتے ہیں۔

## (۱) تقویٰ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کا ذریعہ ہے:

تقویٰ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ متقی بندوں کو اللہ کی معیت اور ساتھ نصیب ہوتا ہے، نیز وہ اپنے ہر معاملے میں ایک خاص نوعیت کی مدد و نصرت شامل حال پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۱۹٤) ”اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے“ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی دوستی اور ساتھ حاصل ہو اس کو دنیا کی کسی بھی چیز کا نہ ڈر ہوتا ہے نہ خطرہ، وہ بالکل بے خوف ہو کر زندگی گزارتا ہے، فرماتے ہیں: أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ٦٢) ”خبردار! اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے“۔

## (۲) متقی بندوں سے اللہ تعالیٰ اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق محبت کرتی ہے:

تقویٰ کا ایک فائدہ جلیلہ یہ بھی ہے کہ متقی بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب اور چہیتا بن جاتا ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (الحجرات: ۱۳) ”بے شک اللہ سبحانہ و تقدس متقی بندوں سے محبت کرتے ہیں“ اور جس بندے سے اللہ محبت کرتے ہیں اس سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق محبت کرتی ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بُلا کر کہتے ہیں کہ اے جبرائیل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان میں ندا لگاتے ہیں کہ اے آسمان والو! فلاں بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، تو تمام آسمانی مخلوق یعنی فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر دنیا والوں کے دلوں میں اس کی قبولیت کو ڈال دیا جاتا ہے۔ (بخاری، باب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ رقم الحدیث: ۳۲۰۹)۔

قبولیت کی تشریح میں شرّاح حدیث لکھتے ہیں کہ اہل دنیا کے دلوں میں اس کی محبت، عظمت اور احترام و میلان کو ڈال دیا جاتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اولیاء عظام و علماء کرام معاشرے اور سوسائٹی میں کس قدر عزت و وقعت رکھتے ہیں، اور کتنا زیادہ لوگ ان کا احترام کرتے ہیں، حتی مرنے کے بعد بھی ان کو یاد کیا جاتا ہے ان کی برکات سے استفادہ کیا جاتا ہے، ان کو اس مقام پر پہنچانے والی چیز یہی وصف تقویٰ ہے۔

## (۳) اسباب معاش کی فراہمی کے ساتھ بابرکت روزی نصیب ہوتی ہے:

انسان کے لیے دنیا میں سب سے بڑا مسئلہ اس کی روزی اور معاش کا ہے، اس کی ساری تگ و دو، دوڑ دھوپ تحصیل معاش کے لیے ہی ہوتی ہے، اور یہی فکر اس کو ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے، مگر جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ غیب سے ان کے لیے رزق کے فراہمی کی شکلیں پیدا فرماتے ہیں اور ایسی جگہ سے ان کو روزی مقدر کرتے ہیں جس کا ان کو گمان تک نہ ہو، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّه مَخْرَجاً وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** (طلاق ۲۔۳) ''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مصائب سے نکلنے کی راہ بنا دیتے ہیں اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا''۔

نیز اگر روزی حاصل بھی ہو تو اس میں بے برکتی اور ناکافی ہونے کی شکایت تو برابر لگی رہتی ہے، لیکن تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ بندے کی اس الجھن کو بھی ختم کر دیتے ہیں، اور پرہیزگار بندوں پر زمین وآسمان کی ایسی برکتیں نازل فرماتے ہیں جس سے ان کو توافر اور تسلسل کے ساتھ روزی ملتی رہتی ہے، اور وہ فاقہ کشی اور تنگ دستی سے محفوظ رہتے ہیں اللہ پاک کا ارشاد ہے: **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** (الاعراف: ۹۶) ''اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور ڈرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے نعمتوں کے دروازے کھول دیتے''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغویؒ نے برکات کا مطلب "تسلسل کے ساتھ رزق کا حاصل ہونا، بارشوں کی کثرت، غلّوں کی خوب پیداوار اور قحط وخشک سالی سے حفاظت" بیان کیا ہے۔

## (۴) علم صحیح نصیب ہوتا ہے:

نیز جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل خاص کے ذریعہ ایسی معرفت اور باطنی طاقت عطا فرماتے ہیں جس کے ذریعہ وہ حق و باطل، غلط اور صحیح میں تمیز کر سکتے ہیں، اور پیچیدہ مواقع میں اصابت رائے کو پالیتے ہیں، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ فُرْقَاناً** (انفال: ۲۹)

’’جولوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو (حق و باطل میں) فرق کرنے والا (علم) عطا فرماتے ہیں‘‘۔

## (۵) مشکلات و پریشانیوں سے نکلنے کے اسباب فراہم ہوتے ہیں:

انسانی زندگی مخالف وموافق حالات اور آلام ومصائب کا محور ہے، اور سفر حیات میں راحت ومشقت سہولت وصعوبت کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، نیز بسا اوقات انسان ایسے پر پیچ حالات کی گرفت میں آجاتا ہے کہ بظاہر ان کے حل سے وہ عاجز ہوتا ہے، لیکن تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ دشوار مواقع سے باہر نکلنے اور ناموافق حالات کی گردش سے بچنے کا راستہ بتلا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً" (طلاق:۲) ’’اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مصائب سے نکلنے کی راہ بنا دیتے ہیں‘‘۔

## (۶) کاموں میں سہولت اور آسانی پیدا ہوتی ہے:

انسان کو اپنے کاموں میں سہولت اور آسانی مطلوب ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ بآسانی اپنے مطلوب و مقصود کو پالے، اور یہ سہولت اس کو کامیابیاں نصیب ہوں، مگر زندگی میں درپیش صعوبتوں اور دشواریوں کے سبب کبھی وہ اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے تو گاہے ناکام بھی ہوتا ہے، لیکن متقی بندوں کو اس مشقت سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک غیر معمولی تیسیر وسہولت ان کے کاموں میں فرما دیتے ہیں، اور خدا کے یہ خدا ترس بندے آسانی کے ساتھ اپنے کاموں کی تکمیل کر لیتے ہیں، قرآن پاک کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (طلاق:۴) ’’اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتے ہیں‘‘۔

غرض ان سب دنیاوی ثمرات و برکات کے علاوہ تقویٰ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا نچوڑ اور ساری عبادتوں کی روح ہے، صرف تقویٰ ہی کے ذریعہ انسان اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے، تقویٰ کے بغیر نہ وہ کسی اُخروی منزل سے کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے نہ دنیا میں چین وسکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو تقویٰ و پرہیز گاری کی دولت سے مالا مال فرمائے، اور اپنے منتخب و محبوب بندوں میں ہمیں شامل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

فکرونظر

# مسلمانوں کے امت ہونے کا مطلب

از: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ *

آر ایس ایس کے ایک اہم قائد جناب رام مادھو نے مسلمانوں کو ہندو مسلم تعلقات بہتر بنانے کے لئے تین نکاتی فارمولہ پیش کیا ہے، جس میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مسلمان خود کو امت اسلام اور امت مسلمہ سمجھنا چھوڑ دیں انھوں نے شاید ایسا اس لئے کہا ہو کہ امت کا تصور ہندوستان کے مسلمانوں کو پوری دنیا کے مسلمانوں سے جوڑ دیتا ہے، اس رابطہ کو کمزور کرنے یا منقطع کرنے کے لئے بعض سنگھ کارکنوں کی طرف سے یہ بھی تجویز پیش کی جاتی رہی ہے کہ بھارت میں ہی مکہ مکرمہ یا کعبہ کا ماڈل تیار کر دیا جائے؛ تاکہ مسلمان اپنے دیش میں ہی رہتے ہوئے حج کر لیں؛ کیوں کہ مکہ مکرمہ جا کر فریضۂ حج ادا کرنے سے امت کے آفاقی تصور کو تقویت پہنچتی ہے، یا ایسا ہو کہ وہ حج ادا کرنے کے بجائے اجمیر شریف جا کر زیارت کر لیں اور بس، مسلمانوں سے یہ مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے حیدرآباد میں رہنے والے ہندو بھائیوں سے کوئی گروہ مطالبہ کرے کہ وہ امرناتھ یاترا کے لئے کشمیر جانے کے بجائے اسی شہر میں کسی بڑے اور خوبصورت مندر کی یاترا کر لیں؛ تاکہ ان کے پیسے بچیں اور مقامی تاجروں کو بھی فائدہ پہنچے، ظاہر ہے کہ یہ ایک نامعقول بات ہوگی، انسان کے عقیدہ اور یقین کے مطابق جو عمل جس جگہ سے متعلق ہو جب تک وہ اُس عمل کو اُس جگہ انجام نہ دے، نہ اس کا وہ عمل پورا ہوگا اور نہ اس کو تشفی ہوگی؛ اس لئے مسلمانوں کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ ہندوستان میں بنائے گئے، مصنوعی کعبہ کا حج یا کسی بزرگ کے مزار کی زیارت ان کے جذبۂ عبادت کو پورا کر دے گی، ایک مذاق تو ہو سکتا ہے؛ مگر یہ بات کبھی حقیقت نہیں بن سکتی۔

اصل میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ امت کے لفظ کی حقیقت کیا ہے؟ کیا صرف مسلمان ہی امت ہیں یا دوسرے مذہبی گروہ بھی اپنے اپنے افکار کے ساتھ امت ہیں؟ امت ہونے یا بننے کا مقصد کیا ہے؟ کیا مسلمانوں کا ایک امت ہونا دوسرے مذہبی گروہوں سے مزاحمت کے لئے ہے اور اس کا مقصد دوسرے گروہوں کو نشانہ بنانا اور ان کو تکلیف پہنچانا ہے؟ اس سلسلے میں چند نکات کو پیش نظر رکھنا چاہئے: ۱۔ امت عربی زبان میں ایک طرح کے افراد کے مجموعہ کو کہتے ہیں، جن میں کوئی مشترک بنیاد ہو، خواہ یہ مشترک بنیاد دین کی ہو یا زمانہ یا وقت

* جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

کی، یا مقام وعلاقہ کی: الأمة جمع لهم جامع من دين أو زمان أو مكان أو غير ذالک (کشاف اصطلاحات الفنون: ۱/ ۲۶۲) اسی مناسبت سے جس قوم میں کسی نبی کو بھیجا گیا ہو وہ قوم اس نبی کی امت کہلاتی ہے، چاہے وہ اس پر ایمان لائی ہو یا نہیں، جو ایمان لا چکے ہیں ان کو ''امت اجابت'' کہا جاتا ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کو امت دعوت (شرح مشکوٰۃ للطیبی: ۲/ ۴۴۸) اجابت کے معنیٰ قبول کرنے کے ہیں؛ لہٰذا امت اجابت کے معنیٰ اس گروہ کے ہیں، جس نے نبی کی دعوت کو قبول کر لی ہو، اور جس نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا، ان کو ''امت دعوت'' کہا جاتا ہے، یعنی ابھی ان پر مزید دعوت حق پیش کرنے کی ضرورت ہے؛ اسی لئے اہل لغت نے صراحت کی ہے کہ پیغمبر کو جن لوگوں کی طرف بھیجا گیا، وہ سب امت میں شامل ہیں: الأمة جماعة أرسل اليهم رسول سواء آمنوا أو كفروا (تاج العروس: ۳۱/ ۲۲۹)

ایک مشترک خصوصیت کے حامل گروہ کو اُمت کہنے کے معاملہ میں لغت کے اعتبار سے اس قدر وسعت ہے کہ انسان ہی نہیں دوسری مخلوقات کے گروہ کو بھی امت کہا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زمین میں جتنے چلنے والے جانور اور اپنے پروں کے ذریعہ اڑنے والے پرندے ہیں، یہ سبھی تمہاری طرح امتیں ہیں: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ (انعام: ۳۸)

۲۔ امت کے مفہوم کی اس وسعت کو دیکھئے تو صرف مسلمان ہی امت نہیں ہیں؛ بلکہ ہر مذہبی گروہ ایک امت ہے، چاہے وہ ہندو ہوں یا عیسائی یا یہودی؛ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے کہ ہر ''امت'' میں اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والا اور حق کی تعلیم دینے والا بھیجا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝۲۴ (فاطر: ۲۴) اسی لئے قرآن مجید نے غیر مسلم گروہوں کو بھی امت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اہل مکہ سے فرمایا ہے کہ ''اگر تم نے پیغمبر برحق کو جھٹلا دیا تو کچھ عجیب نہیں؛ کیوں کہ تم سے پہلے کی امتوں نے بھی اپنے زمانے کے رسولوں کو جھٹلایا تھا'' وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ (عنکبوت: ۱۸) ----- اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ امت ہونے میں یا اپنے آپ کو امت کہنے میں نہ اپنی بڑائی کا اظہار ہے اور نہ دوسرے کی تحقیر ہے۔

۳۔ کسی گروہ کے لئے جیسے دوسری باتیں مشترک بنیاد ہوسکتی ہیں، اس طرح دین ومذہب بھی ہوسکتا ہے، اسی مناسبت سے ایک دین پر قائم رہنے والے لوگوں کو بھی ایک امت کہا جاتا ہے، عربی لغت وگرامر کے ایک بڑے ماہر زجاج نے ''كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً'' (بقرہ: ۲۱۳) ''لوگ ایک ہی امت تھے'' کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے'' كانوا على دين واحد (تاج العروس: ۳۱/ ۲۲۹) اس لئے مذہبی رشتہ سے پوری دنیا کے مسلمان ایک امت ہیں، جس کی دعاء حضرت ابراہم علیہ السلام نے کی تھی: ''ہماری

نسل میں ایک مسلمان امت پیدا فرما''ومن ذریتنا أمة مسلمة لك (بقرہ:۱۲۹) جیسے امت کا لفظ اجتماعیت کو ظاہر کرتا ہے ایسے ہی ایک لفظ قوم کا ہے، یہ بھی افراد کے ایک مجموعہ کو کہتے ہیں، امت کا لفظ عموماً ایک فکر کے لوگوں پر بولا جاتا ہے اور قوم کا لفظ عموماً ایک علاقہ اور ملک کے لوگوں پر؛ اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے اپنے مخاطب کو''قومی'' کے لفظ سے خطاب کیا؛ حالاں کہ دینی اعتبار سے اُن کے اور اُن کی قوم کے درمیان اتحاد نہیں تھا؛ بلکہ قوم ان کی دعوت کی سخت مخالف تھی، پس مسلمانوں کا ایک تعلق اپنے ہم مذہب لوگوں سے ہے، اور اس اعتبار سے وہ ایک''امت'' ہیں، اور دوسرا تعلق اپنے ہم وطنوں سے ہے، اور اس رشتہ کے اعتبار سے وہ ایک قوم ہیں؛ اس لئے ہندوستان میں بسنے والے جتنے بھی مذہبی گروہ ہیں، ہندوستانی مسلمان ان کو اپنی قوم کا حصہ سمجھتے ہیں، اسی جذبہ کے تحت مسلمان ملک کے دفاع، اس کی ترقی اور اس کی آزادی میں برادران وطن کے شانہ بشانہ بلکہ بعض اوقات دوسروں سے آگے بڑھ کر مادر وطن کی خدمت کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

۴۔ موجودہ دنیا ایک گلوبل دنیا ہے، جس نے پوری دنیا کو ایک گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے، ہر ملک کا مفاد دوسرے ملک سے متعلق ہے، بسا اوقات بڑے بڑے اور طاقتور ممالک بعض مفادات میں بہت چھوٹے ممالک کے محتاج ہوتے ہیں، اور وہ ان کی تائید چاہتے ہیں؛ اس لئے اگر ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق عالم اسلام کے اور دوسرے ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں سے استوار ہو اور اس کا استعمال ملک کے خلاف نہ ہو تو یہ ہمارے ملک کے لئے مفید ہے نہ کہ نقصان دہ، اس وقت ہندوستان کو مسلمان ممالک کی جو تائید حاصل ہے یہاں تک کہ بہت سی دفعہ وہ پڑوس کے مسلم اکثریت ملکوں کے مقابلہ ہندوستان کو ترجیح دیتے ہیں، تجارت میں، افرادی وسائل کو مشغول کرنے میں، سرمایہ کاری میں اور بین الاقوامی مسائل میں ہندوستان کے موقف کی تائید کرنے میں، اس میں یقینی طور پر اس بات کا بھی حصہ ہے کہ انڈونیشیا کے بعد سب سے زیادہ مسلمان بھارت میں بستے ہیں، پس امت کے اس تصور سے ہمارے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے نہ کہ نقصان۔

۵۔ پھر کیا صرف اس ملک کے مسلمانوں ہی کا دوسرے ملکوں میں بسنے والے اپنے ہم مذہبوں سے رابطہ ہے؟ کیا دوسرے مذہبی گروہوں کا نہیں ہے؟ ہندو مذہب پر یقین رکھنے والے تارکین وطن پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اور وہ وہاں ہندوستان میں بسنے والے ہم مذہب لوگوں سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، اپنے ملک میں رہتے ہوئے رام مندر پر چندہ کرتے ہیں، آر ایس ایس کی نفرت انگیز تحریک کا تعاون کرتے ہیں، اس کی بنیاد اتحاد مذہب کے سوا اور کیا ہے؟ پوری دنیا کے ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لئے سنگھ پریوار نے وشو ہندو پریشد قائم کی ہے، یہی ہے امت کا وہ تصور جس کو لے کر مسلمانوں کو بدنام کیا جاتا ہے۔

۶۔ کسی بھی اجتماعیت کے بارے میں نفع بخش یا نقصان دہ ہونے کا فیصلہ اس کے مقاصد سے کیا جاتا ہے، اگر لوگ اپنی ایک وحدت اس سوچ کے ساتھ قائم کریں کہ وہ دوسروں کو نیچا دکھائیں گے، ان کو نقصان پہنچائیں گے، ان کو بے وطن کریں گے، سماج میں نفرت پھیلائیں گے اور تفریق کی فضاء بنائیں گے تو ظاہر ہے کہ ایسی اجتماعیت انسانیت کے لئے تباہ کن، ملک وقوم کے لئے مہلک ونقصان دہ اور نا قابل قبول ہے، چاہے یہ مسلمانوں کی طرف سے ہو یا کسی اور مذہبی گروہ کی طرف سے۔ ایک امت کی حیثیت سے مسلمانوں کی جو ذمہ داریاں اور مقاصد ہیں، قرآن مجید نے ان کو بہت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران: ۱۱۰) ترجمہ: تم بہترین امت ہو، جس کو انسانیت کے لئے پیدا کیا گیا ہے؛ تاکہ تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دو، بری باتوں سے منع کرو اور اللہ پر ایمان رکھا کرو۔ اسی بات کو قرآن مجید نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ''میانہ رَو اُمت'' بنایا ہے، جو لوگوں کے سامنے حق کی گواہی دیتے ہیں (بقرہ: ۱۴۳) گواہی دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے، ان کی دعوت دیتے ہیں، اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، ان سے روکتے ہیں، غرض کہ اس امت کی اجتماعیت، وحدت اور باہمی ارتباط کا مقصد نہ کسی گروہ کی مخالفت ہے نہ نفرت کا پھیلانا؛ بلکہ اس کا مقصد دنیا میں اچھی باتوں کو فروغ دینا، سماج کو خیر وفلاح کی طرف لانا، ظلم وزیادتی اور برائیوں کو روکنا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی امت ملک کے لئے فائدہ مند ہی ہوگی، پھر قرآن مجید نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ دوسری قوموں کے جو عقائد وافکار اور رسوم وروایات ہیں اور زندگی گزارنے کا جو طور وطریقہ ہے، چاہے مسلمانوں کو اس سے اتفاق نہ ہو؛ لیکن اس کو دنیا میں فساد وانتشار کا سبب نہ بنایا جائے، یہ اختلاف جو ہمیں نظر آتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا حصہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں ادیان ومذاہب کا اختلاف منظور نہ ہوتا تو سارے کے سارے لوگ ایک ہی مذہب کے حامل ہوتے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بات مقدر ہے کہ اس دنیا میں اختلاف مذہب قائم رہے گا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝۱۱۸ (ہود: ۱۱۸)؛ اس لئے مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا کہ دوسری قومیں جن دیویوں دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہیں، ان کو برا بھلا کہا جائے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (انعام: ۱۰۸) اگر اسلام نے امت محمدیہ کا مقصد دوسروں سے لڑنا، ان سے جنگ کرنا اور زبردستی ان کا مذہب تبدیل کرانے کی کوشش کرنا قرار دیا ہوتا تو یقیناً مسلمان بحیثیت امت قابل نفرت ہوتے؛ لیکن اسلام نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے؛ بلکہ امت کو بہتر مقاصد کے لئے برپا کیا گیا ہے؛ اس لئے اس سے نہ وطن عزیز کا کوئی نقصان ہے نہ برادران وطن کا اور نہ انسانیت کا۔!!!

گوشۂ آزادی

# ہندوستانی آئین وسیاست میں دین ومذہب کی آزادی

از: حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ

دین ومذہب کی آزادی انسان کے ان بنیادی حقوق میں سے ایک ہے جنھیں انسانیت کا فطری خاصہ مانا جاتا ہے، اور ہر مہذب حکومت نے انسان کے اس فطری حق کا پاس ولحاظ رکھا ہے، خود ہمارے ملک میں جو مختلف افکار ومذاہب اور تہذیب وثقافت کا گہوارہ ہے شخصی عہد سلطنت میں مذہبی آزادی کی کس قدر پاسداری کی جاتی تھی اس کا اندازہ بھارت کے "انگریزی راج" کے مصنف'' کے. پنڈت سندرلال الہ آبادی' کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ عہد مغلیہ میں مذہبی آزادی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اوران کے بعداورنگ زیب کے تمام جانشینوں کے زمانہ میں ہندومسلم یکساں رہتے تھے۔ دونوں مذاہب کی یکساں توقیر کی جاتی تھی، اور مذہب کیلئے کسی کے ساتھ کسی قسم کی جانب داری نہ کی جاتی تھی"۔ (روشن مستقبل، ص: ۲۴)

مذاہب عالم کی تاریخ اور واقعات ومشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ آزادئ مذہب کا مسئلہ اس درجہ نازک اور جذباتی ہے کہ جب بھی کسی حاکم یا حکومت کی جانب سے اس پر قدغن لگانے کی غیر شریفانہ کوشش کی گئی ہے تو عوام نے اسے برداشت نہیں کیا ہے۔ بلکہ اکثر حالات میں حکومت کا یہی بے جا رویہ بغاوت اور انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا ہے۔ آزادئ ہند کی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ / کی تاریخی جدوجہد کا اہم ترین محرک مسلمانوں اور ہندوؤں کا یہ اندیشہ تھا کہ ان کے مذہب میں رخنہ اندازی اور اسے خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جنگ آزادی کے نامور مجاہد اور عظیم رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر حکومت برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"اسلام کے احکام کوئی راز نہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو وہ چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب وروز اس کا درس دیتے ہیں۔ پس گورنمنٹ کو چاہئے کہ صرف اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہیں یا نہیں! اگر یہ ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر صرف دوہی راہیں

گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئیں یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذہب کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو یا پھر اعلان کر دے کہ حکومت کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ "ان کے مذہب میں مداخلت نہیں ہوگی" اس کے بعد مسلمانوں کے لئے نہایت آسانی ہو جائے گی کہ وہ اپنا وقت بے سود شور وفغاں میں ضائع نہ کریں اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کرلیں۔ (مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب، ص: ۲۰۴)

جہادِ حریت کے نقیبِ اول حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آج سے تقریباً اسّی سال پہلے ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے مذہبی آزادی کے مسئلہ کی نزاکت کو دوٹوک لفظوں میں واضح فرما دیا تھا، ملاحظہ کیجئے حضرت کی اختتامی تقریر کا اقتباس! فرماتے ہیں:

"میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور ضروری سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائدنے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے برخلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ کیلئے ناممکن بنا دے گی اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست دے سکے گی۔

ہاں میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت و آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائیدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشیں کر لیجئے۔ اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذارسانی اور دل آزاری مقصود ہو"۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے، ص: ۱۳۲)

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے مقام و مرتبہ اور ان کی ہمہ گیر مقبولیت سے باخبر اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضرت شیخ الہند کی اپنی تنہا آواز نہیں تھی بلکہ یہ پورے ملت اسلامیہ ہند کی ترجمانی تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی اسی رائے کو جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے لاہور کے عام اجلاس میں بشکل تجویز ان الفاظ میں پیش کیا:

(الف) ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب آزادی

ہوگی۔وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج)۔۔۔۔۔جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نوکروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں ایک لمحہ کیلئے بھی گوارانہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

(جمعیۃ علماء کیا ہے،ص:۳۳۳)

پھر اپنی مجلس عاملہ منعقدہ ۱۷،۱۸/ اگست ۱۹۴۲/ کے اجلاس میں دین و مذہب کے متعلق مسلمانوں کے اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح الفاظ میں یہ تجویز منظور کی۔

"اس موقعہ پر ہم یہ بھی واضح کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیۃ علماء کو اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا ہے کہ جدوجہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندوراج قائم ہوجاتا ہے تو وہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر اس کی شدید مخالفت کرتی۔"

"ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں، مسلمان جو انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بیش بہا اور شاندار قربانیاں پیش کریں گے ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت توہین ہے۔"

(جمعیۃ علماء کیا ہے،ص:۳۴۳-۳۴۴)

ان تفصیلات سے سمجھا جاسکتا ہے، کہ دین ومذہب کا مسئلہ کس قدر نازک اور جذباتی ہے بالخصوص مسلمان اس بارے میں کس درجہ حساس ہیں مذہب کی اسی حیثیت واہمیت کا نتیجہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد جب آزاد ہندوستان کا دستور مرتب ہوا تو اس میں خصوصی طور پر مذہبی حقوق پر توجہ دی گئی اور آزادی مذہب کو بنیادی اصول میں شامل کیا گیا اور اس کے تحت حسب ذیل دفعات رکھی گئیں:

دفعہ ۲۵:(ا) تمام اشخاص کو آزادی ضمیر، اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات متأثر نہ ہوں۔

دفعہ ۲۶: اس شرط کے ساتھ کہ امن عامہ، اور صحت عامہ متأثر نہ ہوں ہر ایک مذہبی فرقے یا اس کے کسی طبقے کو حق ہوگا:

(الف) مذہبی اور خیراتی اغراض سے ادارے قائم کرنے اور چلانے کا

(ب) اپنے مذہبی امور کا انتظام خود کرنے کا الخ

دفعہ ۲۷: کسی شخص کو ایسے ٹیکسوں کے ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا جن کی آمدنی کسی خاص مذہب یا مذہبی فرقہ کی ترقی یا اس کو قائم رکھنے کے مصارف ادا کرنے کیلئے صراحتاً تصرف کی جائے۔

دفعہ ۲۸: (۱) کسی ایسے تعلیمی ادارے میں جو بالکلیہ مملکتی فنڈ سے چلایا جاتا ہو کوئی مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

(۲) فقرہ (۱) کے کسی امر کا اطلاق ایسے تعلیمی ادارہ پر نہیں ہوگا جس کا انتظام مملکت کرتی ہو لیکن جو کسی ایسے وقف یا ٹرسٹ کے تحت قائم کیا گیا ہو جو ایسے ادارہ میں مذہبی تعلیم دینا لازم قرار دے۔

(۳) کسی ایسے شخص پر جو کسی ایسے تعلیمی ادارہ میں شریک ہو جو مملکت کا مسلمہ ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو لازم نہ ہوگا کہ کسی ایسی مذہبی تعلیم میں حصہ لے جو ایسے ادارے میں دی جائے یا ایسی مذہبی عبادت میں شریک ہو جو ایسے ادارہ میں یا اس ملحقہ عمارت واراضی میں کی جائے بجز اس کے کہ ایسے شخص نے یا اگر وہ نابالغ ہو تو اس کے ولی نے اس کیلئے اپنی رضامندی دی ہو۔

## ثقافتی اور تعلیمی حقوق سے متعلق دفعات

دفعہ ۲۹: (۱) بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط، یا ثقافت ہو اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔

(۲) کسی شہری کو ایسے تعلیمی ادارہ میں جس کو مملکت چلاتی ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو داخلہ دینے سے محض مذہب، نسل، ذات، زبان یا ان میں سے کسی بنا پر انکار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۳۰: تمام اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کی بنا پر ہوں یا زبان کی اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا۔ (بھارت کا آئین یکم جنوری ۱۹۸۵ / تک ترمیم شدہ شائع کردہ ترقی اردو بیورو وزارت تعلیم حصہ ۳ بنیادی حقوق، ص:۴۶-۴۷) ان دستوری مستحکم ضمانتوں کے ساتھ دستور ساز اسمبلی میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کے مفادات کا ان کے اطمینان کی حد تک خیال رکھا جائے گا اور اسے اسٹیٹ ایک مشن یعنی کاز کی حیثیت دے گا۔

مگر راج گدی پر بیٹھتے ہی یہ سارے عہد و پیمان اور قول و قرار ہوس اقتدار کی نذر ہو گئے اور ایک خاموش تحریک شروع کر دی گئی کہ نصاب تعلیم اور سرکاری اسکولوں کے ماحول کے ذریعہ ہندو تہذیب بلکہ صحیح لفظوں میں برہمن ازم کو یہاں کے بچہ بچہ کے دل و دماغ میں اتار دیا جائے۔ اور پہلے قدم کے طور پر گاندھی جی کی مشہور پرارتھنا اسکولوں میں جاری کی گئی جس میں مسلم بچوں کی شرکت بھی لازم کر دی گئی۔ جس کے بند یہ ہیں:

رگھو پتی رادھے راجہ رام پتت پاون سیتارام

پتت پاون سیتارام ایشور ، اللہ تیرے نام

چنانچہ ایک مسلم ماسٹر نے اس سلسلہ میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کو خط لکھ کر یہ اطلاع دی کہ سرکاری اسکولوں میں یہ پرارتھنا لازم کردی گئی ہے جبکہ مسلم بچوں کو مذہبی بنیاد پراس پر اعتراض ہے تو کیا واقعی اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی بات قابل اعتراض ہے۔اس کے جواب میں حضرت مجاہد ملت نے تحریر فرمایا:

”گاندھی جی کا یہ گیت اسلام کے عقیدۂ توحید کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ اسلام کا سب سے بڑا اور بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ایشور، خدا اس ذات کا نام ہے جو نہ کسی کا باپ ہے، اور نہ کسی کی اولاد نہ کسی کا شوہر نہ بیوی وہ ان تمام رشتوں سے پاک ہے، اس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں۔(سورۂ اخلاص)

جس گیت میں رام، ایشور اور اللہ کو ایک ہی بتایا جارہا ہے اور ساتھ رام کو سیتا جی کا پتی اور سیتا جی کو رام کی دھرم پتنی کہا جارہا ہے تو ظاہر ہے کہ اسلام اس کو قبول نہیں کرسکتا مسلمان بچوں کو اعتراض ہے تو بجا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کو اس گیت کے گانے پر مجبور کیا جائے اس لئے کہ ایک سیکولر اسٹیٹ میں یہ کبھی جائز نہیں ہوسکتا۔“

اسی برہمنی تہذیب کو عام کرنے کی ہوس میں مختلف نام کی تصویروں اور مجسموں پر بطور عقیدت پھول مالائیں چڑھانے کو نہ صرف رواج دیا گیا بلکہ اسے ضروری قرار دیا جانے لگا چنانچہ اس سلسلے میں بھی مولانا موصوف کے پاس ایک مراسلہ آیا جس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

”آپ نے اپنے خط میں دوسوال کئے ہیں یہ ہیں:

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ مذہب اسلام کی رو سے کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی تصویر یا مجسمہ پر ہار پھول چڑھائے؟

(۲) کیا ملک کا سیکولر آئین یا کانگریس کا دستور کسی شخص کے لئے یہ لازم قرار دیتا ہے کہ وہ ملک و وطن کے کسی لیڈر کی تصویر یا مجسمہ پر ضرور ہار پھول چڑھائے اور جو شخص ایسا کرنے سے اپنے مذہب کی پابندی کرتے ہوئے انکار کردے تو اس کو مجرم سمجھا جائے گا؟

آپ نے جو سوالات تحریر فرمائے ہیں ان کا جواب درج ذیل ہے:

(۱) مسٹر معین الدین وزیر آسام نے جو عمل کیا ہے وہ اسلامی بنیادی عقیدہ کے اعتبار سے قابل ستائش ہے میں ان کو جرأت حق کی داد دیتا ہوں، اسلام کے عقیدۂ توحید کا تقاضہ ہے کہ کوئی عمل مسلمان ایسا نہ کرے جس سے اس کے بنیادی عقیدہ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ زد پڑتی ہو اسلام نے اسی وجہ سے نبی اور پیغمبروں کے ساتھ بھی اس طرح کے عمل کی اجازت نہیں دی ہے جس سے پرستش کا شائبہ یا واہمہ ہوتا ہو اسلام نے اسی بناء پر نبیوں اور

پیغمبروں حتیٰ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنانے کو حرام قرار دیا ہے، اور اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین قرار دیا ہے۔اس لئے گاندھی جی کی شخصیت کی عظمت اپنی جگہ قابل تسلیم رہتے ہوئے بھی کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ گاندھی جی کی تصویر یا مجسمہ یا کسی بھی مسلم یا غیر مسلم رہنما کی تصویر یا مجسمہ پر ہار پھول چڑھائے۔

(۲) ہماری قومی حکومت کسی خاص مذہبی عقیدہ کی حکومت نہیں ہے بلکہ ملک کے عوام کی ملی جلی جمہوری حکومت ہے جس کو ہم سب سیکولر کے نام سے موسوم کرتے ہیں، سیکولر اسٹیٹ کا جو دستور بنایا گیا ہے اس میں مذہب کی آزادی کو بنیادی حقوق میں اہم ترین حق تسلیم کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے عقیدہ کے مطابق مذہبی آزادی حاصل ہو یعنی کوئی شخصیت یا کوئی کمیونٹی دوسروں سے اپنے مذہبی عقائد اور اعمال زبردستی منوانے کی مجاز نہ ہوگی"۔

یہ ساری تفصیلات اس غرض سے پیش کی جارہی ہیں تاکہ ہوا کا رخ متعین کرنے میں کوئی دقت نہ ہو اور مسلمانوں بالخصوص قائدین ملت کو باور کرلینا چاہئے کہ جب نیتوں میں فتور آجائے تو جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پر بھی وہ سب کچھ کیا جاسکتا ہے جو ایک ظالم و جابر شخصی حکومت کرسکتی ہے پھر مسئلہ صرف حکومت اور اس کی مشینری ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں عدلیہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کیا یہ حیرت ناک بات نہیں ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب عدالتیں ذاتی آزادی، ماحولیاتی تحفظ اور بندھوا مزدوری کے خاتمہ جیسے معاملات میں انتہائی فعال نظر آتی ہے وہیں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں سرد مہری دکھائی پڑتی ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ بابری مسجد کی شہادت کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف واقع فرقہ وارانہ تشدد کے معاملات میں آدھے کو پولیس نے صحیح بتایا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ناقابل تفتیش بھی کہا اور ہماری عدالتیں اس پر خاموش تماشائی بنی رہیں اور بقیہ معاملات جن میں مسلمانوں کی حیثیت ملزمان کی رکھی گئی ہے عدالتوں کی زبردست دلچسپی دکھائی پڑتی ہے۔

العرض: مسلمانوں کی اب تک کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ عملی اعتبار سے خواہ کتنے کمزور کیوں نہ ہوں مگر اپنے عقیدہ اور دین و مذہب کے معاملہ میں انتہائی حساس ہیں۔ وہ سب کچھ قربان کرسکتے ہیں لیکن اپنے عقیدہ اور دین و مذہب سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے، جس حال میں جینا مشکل ہے

گوشۂ آزادی

# سونے کی چڑیا یا مٹی کی گڑیا

از قلم: حافظ محمد عمر کا ماریڈی*

کرۂ ارض پر سرزمین ہند وہ منفرد شناخت رکھنے والا اور بہت سی خصوصیات وامتیازات کا حامل ملک ہے جس کی نظیر کسی اور بلاد ودیار میں نظر نہیں آتی؛ کیوں کہ یہاں عرصۂ دراز سے مختلف مذاہب ومتنوع تہذیبوں کے لوگ بود وماند رکھتے چلے آرہے ہیں؛ بایں طور کہ بودھ مت، جین مت اسی ملک میں پیدا ہوئے، ہندومت نے بھی یہیں فروغ پایا، پارسی مذہب نے بھی ہندوستان کے سایہ میں اپنے آپ کو باقی رکھا، سکھ مت نے بھی ہندوستان ہی میں آنکھیں کھولیں، مسلمان بھی یہیں پروان چڑھے؛ مختصر یہ کہ یہ ایک جمہوری نظام والا سیکولر ملک ہے، جس کی آزادی کے لئے ہمارے بزرگوں نے وہ بے شمار اور ناقابلِ فراموش قربانیاں پیش کیں جن کو جھٹلانا اور مٹانا تاریخ کے ساتھ بدترین سلوک اور انسانیت پر انتہائی درجہ کا ظلم ہے؛ کیوں کہ ہمارے اکابر، علماءِ دین اور مسلم عوام وغیر مسلم اہلِ وطن بھائیوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے وطن عزیز کی آزادی کو یقینی بنانے کے لئے کئی ایک تحریکیں چلائی اور اپنی جانوں کے نذرانے بھی پیش کئے؛ چناں چہ کہیں علماء کرام کی نعشوں کو درختوں پر لٹکائے جانے کی خون چکاں داستان ہے تو کہیں تختۂ دار پر پھانسی کے پھندوں کو چوم کر جامِ شہادت نوش کرنے والوں کے دلخراش مناظر ہیں، صرف یہی نہیں؛ بلکہ کئی ہزار علماء کرام کو برہنہ کر کے آگ کے انگاروں اور کھولتے ہوئے تیل میں بڑی بے دردی سے ڈال دیا گیا اور اس پر مستزاد یہ کہ دہلی کی چاندنی چوک سے خیبر تک کوئی درخت ایسا نہ تھا جس پر کسی عالم دین کی نعش نہ لٹکائی گئی ہو اور لکھنے والوں نے لکھا کہ ان علماء کرام کی تعداد اکاون ہزار سے زائد تھی، اسی طرح کالے پانی اور مالٹا کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتوں کو جھیلا؛ مگر تحریکِ آزادی سے دستبردار ہونے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوئے؛ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اپنی آنکھوں میں اپنے پیارے ملک کی آزادی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے کے لئے جان وتن نچھاور کیا، اور تن کے گورے من کے کالے انگریزوں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا؛ تا کہ اس ملک کے باشندے غیروں کے ناپاک تسلط سے چھٹکارا پا کر چین وسکون کی سانسیں لے سکیں اور ایک ایسا دستور وآئین بنایا جائے جس میں ہر باشندے کو مذہبی

* متعلم دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند

اور شہری مکمل آزادی حاصل ہو، اور اپنے مذہبی شعائر کے اختیار کرنے کا بھرپور حق ملے؛ نیز ہمارے بڑوں اور بزرگوں نے تمام برادرانِ وطن کی آزادی کی خاطر اور ان کے تحفظ، ملک کی سلامتی، تہذیب وتمدن کی بقاء اور انسانی حقوق کی بحالی کے لئے جنگ آزادی میں بے مثال کارنامے سرانجام دیے۔

## آزادی کے بعد فرقہ پرستوں کی سازشیں اور آئین کے ساتھ بدترین سلوک

ہندوستان کی آزادی کے لیے ہمارے بڑوں نے مسلسل قربانیاں دے کر اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے سونے کی چڑیا بنادیا تھا؛ لیکن ہماری بدقسمتی کہ آزادی کے بعد فرقہ پرست طاقتوں اور جمہوریت کے دشمنوں نے پورے ملک میں نفرت وعداوت اور اختلاف وانتشار کا ماحول پیدا کر کے اس سونے کی چڑیا کو مٹی کی گڑیا بنا کر رکھ دیا۔

ہمارا ملک بھارت ایک جمہوری ملک ہے اور ہمارے دستور نے یہاں کے سب باشندوں کو یکساں طور پر حق دیا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے سلسلہ میں آزاد ہیں، ان کو ان کے مراسم عبادت ادا کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق حلال وحرام چیزوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا پورا پورا حق ہے، اور اہلِ ہند کے لئے یہ بڑے فخر کی بات تھی کہ بہت حد تک یہاں کی حکومتیں اس آئین وقانون کی پابندی کرتی تھیں؛ مگر اب چند سالوں سے بعض تعصب پسند جمہوریت کے دشمن عناصر آئین کے ساتھ کھلواڑ کر کے بنیادی قانونی حقوق کو غبن کر رہے ہیں، چناں چہ اب نہ تو ہمارے مذہبی معاملات محفوظ ہیں اور نہ ہی شہری حقوق، اب تو ہمیں غیر ملکی قرار دینے سے بھی دریغ نہیں کیا جارہا ہے؛ خلاصہ یہ کہ موجودہ وقت میں جمہوریت ہلاکت کے دہانے پر ہے؛ کیوں کہ دم توڑتی معیشت، بے لگام میڈیا، تعلیمی پسماندگی، فرقہ پرستی وتعصب پسندی، مذہبی وسیاسی عدم برداشت اور حکومت کی ناانصافیاں حد تو یہ ہے کہ ہمارے مذہبی معاملات اور دینی شعائر میں بے جا مداخلت کی ناپاک کوشش کی جارہی ہیں، وطن عزیز میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو دیش بھکت نہ ہونے کا طعنہ دیا جارہا ہے، تو وہیں ہم سے اس ملک کے شہری اور باشندے ہونے کا ثبوت مانگا جارہا ہے، جس کا صاف اور ظاہری مطلب مسلمانوں سے کھلی دشمنی اور اسلام سے بغاوت کا اعلان کرنا ہے، اور ان کی معیت میں بودوباش اختیار کرنے کو ناپسند کرنا ہے، دشمنانِ اسلام تو چاہتے ہیں کہ ہم ان کی حرکات وسکنات کی بنا پر پژمردگی اور مایوسی کا شکار ہو کر عزم وحوصلہ جیسی عظیم دولت کو کھو بیٹھیں، اور اپنے آپ کو عاجز وناتواں سمجھنے لگے، یاد رکھیں کہ ہمیں مصائب ومشکلات کے سیاہ بادلوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ پوری ثابت قدمی وپامردی سے یہاں کی آب وہوا میں زندگی گزارنا ناگزیر ہے، اس لیے کہ اس ملک میں جتنا حق غیروں کا ہے، اتنا ہی ہمارا بھی ہے، ہم اس ملک میں برابر کے

حق دار ہیں، کوئی کرائے دار نہیں۔

## ہماری غفلت وکوتاہی

لیکن تف ہے ہماری غفلت وکوتاہی اور احسان فراموشی پر کہ (جن اکابرین کی بدولت اور جن کی قربانیوں کے نتیجے میں ہمیں آزادی کا انعام ملا ہے) آج ہمیں نہ ان کی قربانیوں کا صحیح علم ہے اور نہ ہی ان کی جاںنثاری سے واقفیت؛ ستم ظریفی کی انتہا تو یہ ہے کہ خوشی کے ان مواقع (۱۵ / اگست اور ۲۶ / جنوری) پر ان بزرگوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے ہمارے لبوں پر خاموشی کی مہر لگ جاتی ہے، نہ بڑوں کو تاریخ بیانی کی کوئی فکر ہے نہ چھوٹوں کو کوئی دلچسپی! ہماری اسی غفلت کے سبب فرقہ پرست طاقتوں اور احسان فراموش لوگوں نے تاریخِ آزادی سے ہمارے ناموں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر تاریخ کو مسخ کر دیا پھر اسی غلط تاریخ سے ہماری نئی نسل کی ذہن سازی کی جارہی ہے اور انہیں احساسِ کمتری کا شکار کر کے ان سے وفاداری کا ثبوت مانگا جاتا ہے؛ حالانکہ یہ سب ہماری غفلت کا ثمرہ ہے اور پھر ایسا ہونا یقینی تھا کیوں کہ ہم نے اپنے ماضی کو بھلا دیا اور جس قوم کو اپنے ماضی سے واقفیت نہ ہو تو وہ قوم مستقبل کے روشن خواب کیا دیکھ سکتی ہیں! ماضی سے واقفیت ہی مستقبل کی سربلندی اور کامیابی کے لئے شاہِ کلید ہے؛ لہٰذا اب ضرورت ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو پڑھیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوں۔

## ہماری ذمہ داریاں اور حل

یہ امر بدیہی ہے کہ جس ماحول کی تاریکی کو مٹا کر روشنی لانی ہو تو اسی ماحول میں ایک دِیا جلانا ضروری ہوتا ہے اسی طرح ہمیں اپنے اس ملک عزیز کی حفاظت اور اس کے سیکولرزم کی سلامتی کے لئے آگے بڑھنا ہوگا، اور چند ایک امور کی رعایت از حد ضروری ہوگی؛ تاکہ اس ملک کی جمہوریت سلامت رہے اور امن وامان، محبت و بھائی چارے کا ماحول بحال ہوجائے؛ چناں چہ ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ ہم اس ملک کی تاریخ کو پڑھیں، اور اپنے ماضی کو یاد رکھیں، اور اپنے قانونی حقوق سے واقفیت حاصل کریں اور اپنی نسلوں کو اپنے بزرگوں کے کارناموں سے روشناس کرائیں؛ تاکہ ہمیں غدار کہنے والے اپنی سازشوں میں ناکام رہیں اور ہم احساس کمتری کا شکار نہ ہوں برتری کے جذبات کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

(۲) اسی کے ساتھ ساتھ اپنی نسلوں کو صحیح تاریخ سے باخبر رکھنے کے لئے مختلف مواقع سے مختلف پروگرام منعقد کیے جائیں، تاریخِ آزادی سے متعلق سوال و جواب کوئز چلائے جائیں، اور جنگِ آزادی کے گمشدہ جیالوں پر مختصر مختصر تقاریر بنا کر یاد دلائی جائیں؛ تاکہ مجاہدین کی تاریخ یاد رہنے سے ان میں عزم وحوصلہ اور جرأت واستقامت جیسی صفات پیدا ہوں۔

(۳) یہاں کے بسنے والے برادرانِ وطن کے مختلف طبقات میں اسلام اور اہلِ اسلام سے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ اسلام واہلِ اسلام سے دور ہیں یا دور رکھے جاتے ہیں تو ایسے حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم غیر مسلم بھائیوں کے سامنے عقائدِ اسلام اور اسلامی تعلیمات کی مناسب و معقول تشریح وتوضیح کریں؛ نیز لوگوں کو اسلام سے متعارف کرائیں، اس کی آفاقیت و ہمہ گیری اور لسانی، جغرافیائی، مکانی وزمانی حدود سے اس کی بالاتری کو بیان کریں، اس کی سچائیاں ان کے سامنے واضح کریں، اس کی تعلیمات کو آشکارا کریں، اور اس کی معقولیت اور زمانے کے ساتھ چلنے کی صلاحیت کو سامنے لائیں؛ کیوں کہ ان حالات کے پیش آنے کا ایک سبب یہ کہ ہم نے غیر مسلم بھائیوں کے سامنے تعارفِ اسلام پیش کرنے میں بڑی کوتاہی کی، اب بھی ہمارے پاس وقت ہے کہ ہم اس فریضہ کو جلد از جلد سرانجام دیں۔

(۴) ایک اہم کام آپسی اتحاد واتفاق کو فروغ دینا ہے: کیوں کہ کسی بھی قوم کی کامیابی وکامرانی اور فتح ونصرت کی تاریخ رقم کرنے میں سب سے کلیدی رول اس قوم کے درمیان پایا جانے والے اتحاد کا ہوتا ہے، تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ قوموں کے عروج وزوال، اقبال مندی وسربلندی، ترقی وارتقا، خوش حالی و فارغ البالی میں اتحاد واتفاق، باہمی اخوت وہمدردی اہم ترین سبب ثابت ہوا ہے، ملتِ اسلامیہ کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ جب تک فرزندانِ توحید کے اندر اتحاد واتفاق پایا جاتا رہا تب تک وہ فتح ونصرت اور کامیابی و کامرانی کا علم پوری دنیا میں لہراتے رہے اور جب انہوں نے اتحاد واتفاق کے دامن کو چھوڑ کر اختلاف وانتشار پھیلانا شروع کیا تو ان کو سخت ترین ہزیمت وشکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا؛ لہٰذا ہمیں اس ملک کی سلامتی کے لئے آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اتحاد واتفاق کی رسی تھامنا ہوگا؛ ورنہ پھر حالات پر رونے اور پریشانیوں پر ماتم کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

## خلاصہ تحریر:

۱۵ / اگست اور ۲۶ / جنوری یہ دونوں یادگار دن ہے جو بڑے سرور وشادمانی اور خوشی ومسرت کے ساتھ منائے جاتے ہیں؛ لیکن حقیقی خوشی اسی وقت ممکن ہے جب کہ زندگی میں چین وسکون ہو، اور ہر طرح کی مکمل آزادی حاصل ہو؛ چونکہ ہمیں یہ آزادی پھولوں کے گلدستے کی شکل میں ملی ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اکابر کی تاریخ کو اوران کی قربانیوں کو یاد رکھیں، اس کے لئے ہم اپنے حقوق سے آگاہ ہوں، اور اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ رواداری و بھائی چارگی اور اتحاد واتفاق کا معاملہ کریں ان شاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

یادِ رفتگاں

# حضرت مولانا مفتی حکیم سید مکرم حسین کاظمی سنسار پوری رحمہ اللہ

## خلیفۂ ارشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

سلطنت روحانیت کے ستارۂ سحر حضرت مولانا مفتی حکیم سید مکرم حسین کاظمی سنسار پوری بھی منزل فردوس کو سدھار گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔ یہ تحریر جو حضرتؒ کے اوصاف واحوال پر مشتمل ہے مولانا فتح محمد ندوی صاحب کی ہے جسے حضرتؒ نے خود سماعت فرمایا تھا۔

میں کیسے بھول جاؤں تری روشنی کا لمس
تیرے ہی عکس نے مجھے آئینہ کیا ہے

زندگی جتنی شیریں اور پر بہار ہے اتنی ہی تلخ اور دشوار ترین ہے۔ تاہم کبھی کبھی کچھ لمحات تلخ اور دشوار زندگی کو بھی خوبصورت اور پر کیف بنا دیتے ہیں۔ میرے لئے خدا کی طرف سے یہ خاص فضل واحسان تھا کہ مجھے اہلُ اللہ کی صحبت کا شرف لاشعوری ایام ہی سے عطاء ہو گیا تھا۔ غالباً میری عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی رہی ہوگی جب میرے کان ولی مرتاض حضرت مولانا مفتی سید مکرم حسین صاحبؒ کی آواز سے شناسائی حاصل کر چکے تھے، تاہم دید کا باضابطہ شرف ۲۰۰۰ء کے آس پاس ہوا۔ لاریب میری زندگی کے وہ ایام اور لمحات بڑے مبارک اور فرخندہ نصیب ہیں جو مرشدِ روحانی حضرت مولانا مفتی سید مکرم حسین صاحب کی صحبت اور دامن تقدس و چشم عنایت میں گزرے ہیں۔ میں اس عظیم نعمت کے حصول پر بارگاہ ایزدی میں سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے اپنی جبین نیاز خم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نیک بندوں کی صحبت اور زیارت کا شرف بخشا اور ان کی صحبتوں سے ہمیشہ فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا ہے۔

مری آوارگی بھی اک کرشمہ ہے زمانے میں
ہر اک درویش نے مجھ کو دعائے خیر ہی دی ہے

ان عنبریں نفوس اور پاکیزہ صفات جماعت کی صحبت کتنی اہم اور ضروری ہے اور انسانی زندگی پر اس کے

کتنے مثبت اور معنی خیز اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ (تفسیر ماجدی سورہ مائدہ) مزید اہل اللہ اور اہل دل کی صحبت کی اس افادیت اور اہمیت کے پیش نظر مشائخ اور نیک لوگوں کا یہ خاص معمول رہا ہے کہ انہوں نے اس عظیم نعمت کے حصول کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاؤں کا اہتمام اور نذرانہ پیش کیا ہے۔ اس عظیم نعمت کے حوالے سے حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے کہ اس کی طلب کے لئے ہم سب کو دعاؤں کا معمول بنالینا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی سید مکرم حسین سنسار پوری صاحبؒ کی تعلیم وتربیت ان اصحاب فکر وعمل کے سایۂ عاطفت میں ہوئی جو اپنے عہد کی سلطنتِ روح اور روحانیت کے روشن ستارے تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا حکیم سید اسحاق صاحبؒ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اور قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے اور آپ کے دادا محترم ڈاکٹر سید حسن صاحب دارالعلوم دیوبند کے اکابر کے صحبت یافتہ تھے۔ اسی طرح آپ کے جد امجد حضرت صوفی سید کرم حسین صاحبؒ اور حضرت مولانا حکیم سید فیض الحسن صاحبؒ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان عصر آفریں شخصیتوں کے خون جگر اور چشمۂ فکر وخیال سے نسلوں کے چراغ روشن ہوئے، ان کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک سینے کو تابناک اور منور کیا بلکہ ان لالہ وگل کی مہک سے ایک زمانہ روشن اور مشک بار ہوا۔ آپ نے ان باتوفیق اور بافیض شخصیات کے ہم آغوش رہ کر کسب فیض کیا اور انہی کی نظر عنایت اور دامن شفقت میں آپ کے قلب وجگر کو روشنی اور ذہن ودماغ کو حرارت اور قلب کو تطہیر نصیب ہوئی۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کے مرحلے اپنے اسی قصبہ سنسار پور کے مشہور دینی مدرسہ ''فیض رحمانی'' سے شروع ہوئے۔ یہاں سے آپ نے حفظ قرآن کریم اور والد محترم سے درس نظامی کے مطابق شرح جامی تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد عالم اسلام کی شہرت یافتہ عظیم روحانی اور علمی دانش گاہ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور سے ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں فراغت حاصل کی۔ انسان علم وکمال میں کتنی ہی منزلیں طے کرلے بلکہ وفور علم کے مرحلوں سے گزر کر وہ آگے بھی کسی اور منزل کو پار کرجائے، یا وہ علم کے پہاڑ کی صورت میں ڈھل جائے۔ غرض علم کے حوالے سے وہ کیسا بھی معرکہ سر کرلے تاہم تعمیر انسانیت، تہذیب اخلاق اور قلب کی صحت وپاکیزگی کسی اہل دل کی صحبت اور ذکر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے صرف علم وکمال کا انقلابی تصور بغیر صحبت کے جلا نہیں پاسکتا جس طرح قطرہ صدف کی گود میں گہر نایاب بنتا ہے اسی طرح قلب ونگاہ کی صحت وتطہیر اور دین کی روح سے مکمل شناسائی کسی کامل انسان کی تربیت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

آپ نے اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیہ قلب کے لئے اپنے اندر ایک بے چینی محسوس کی۔ ویسے سوز و مستی اور جذب و عشق سے آپ کی دنیا پہلے ہی آباد ہو چکی تھی۔ آپ کا گھر اولیائے کاملین کا مسکن اور سالکان معرفت کے لئے سکون خاطر اور سدا فروزاں مینار تھا۔ پھر بھی معرفت الٰہی کی پیاس اور دل میں عشق کی شورش اور محبت کا جو شعلہ تھا وہ آپ کو ''بزم عرفان وحدت'' خانقاہ رائے پور کھینچ لایا جو پائے علم سے دانائے راہ کی طرف یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ یہاں قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کی صحبت اور تربیت نے بلکہ ان کے روشن دل اور نفس گرم نے حضرت مولانا سید مفتی مکرم حسین صاحب کے قلب وجگر پر ایسا صور پھونکا جس کی حرارت اور گرمی سے آج بھی آپ کا باطن منور، قلب روشن اور روح کی کلیاں ان کی صحبت کی خوشبو سے پوری توانائی کے ساتھ مہک رہی ہیں۔ بقول علامہ شبلیؒ:

بوئے گل سے یہ کہتی ہے نسیم سحری
حجرۂ غنچہ میں کیا کرتی ہے؟ آ سیر کو چل

ہاں آپ کے حوالے سے یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ جس طرح حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کی روحانی کہکشاں کے آبدار اور درخشاں موتی ہیں۔ وہیں آپ کی موجودگی میں ہمارے لئے یہ اعزاز اور نیک بختی بھی ہے کہ آپ نے صف اول کے ان مشائخ اور بزرگان دین کی صحبت اور مجلسوں سے براہ راست استفادہ کیا ہے جن کے نقش پا سے تاریخ کا حصہ آج بھی جھلمل اور مہتاب کی طرح اپنی روشنی سے کاغذ کے سینے کو جگمگ کئے ہوئے ہے۔ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری وغیرہ اپنے عہد کے وہ گوہر آبدار اور علم و عمل کے وہ روشن ستارے ہیں جن کے وجود سے قرن اول کی یادیں زندہ اور تابندہ تھیں۔ آپ نے اپنے لاشعوری ایام سے اپنے گھر میں ان کے ورود مسعود سے اپنے مشام جاں کو معطر اور ان کے احوال و آثار اور سیرت و کردار کے ذکر کی خوشبو سے اپنی ساعتوں کو محظوظ کیا ہے۔ یہ وہ نابغۂ روزگار اور قدسی صفات جماعت تھی جو بالواسطہ آپ کے آبا و اجداد کی صحبتوں اور توجہات کا مرکز بلکہ آپ کا گھرانہ اس جماعت صالحین کا فدائی اور جاں نثار تھا۔ لاریب آپ کا بابرکت وجود اور آپ کی ذات ہمارے لئے اس حوالے سے اس عہد میں ان اکابر کے اوصاف اور پاکیزہ صفات زندگیوں کا حاصل عنوان نمونہ اور نشانِ امتیاز مجموعہ ہے۔

فراغت کے بعد اپنے خاندانی پیشے طب سے وابستہ ہو گئے۔ طب کے حوالے سے بڑے بڑے حاذق ترین اطباء آپ کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ جن کی حذاقت کا ایک زمانہ معترف اور مداح تھا۔ تاہم طب کے

اس معزز پیشے سے آپ کا مقصد اور مشن پیسہ کمانا نہیں تھا بلکہ خدمت کا وہ جذبہ تھا جو آپ کو اپنے خاندان سے وراثت میں عطاء ہوا تھا۔ آپ کے مطب پر ہر وقت انسانوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ آپ کا دست شفاء مریض کی روحانی اور جسمانی تشخیص میں طاق تھا۔ صرف مریض کے ہاتھ سے تمام ظاہری اور باطنی احوال اور آثار منکشف ہوجاتے۔ کتنے ہی مایوس اور لاعلاج روحانی اور جسمانی مریض آپ کی شفائی انگلیوں سے صحت یاب ہوکر زندگی کی بہاریں لوٹ رہے ہیں۔ مدتوں آپ لوگوں کو اپنے مطب سے جس طرح جسمانی امراض کی دوا دیتے رہے وہیں روح کے مریضوں کو دوائے دل بھی بانٹتے رہے۔ افسردہ دلوں میں عشق الٰہی اور محبت کی گرمی پیدا کرتے رہے۔ عشق کے اس میخانہ سے کتنے ہی مضمحل قویٰ اور زنگ آلود دلوں میں حرکت ونشاط لوٹ آئی، دین کی روح سے شناسائی حاصل ہوئی، آداب طریقت معلوم ہوئے، عشق حقیقی، جذب وسرمستی سوز وتپش کی وہ بیش بہا دولت عطاء ہوئی جو انسان کو صفت احسان کے بلند مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔ بہ قول جگر:

آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مست الست
ڈال کر خاص نگاہیں میرے پیمانہ میں

اپنے مطب ہی سے آپ نے اصلاح اور تزکیہ قلوب بلکہ اپنے مرشد کی تعلیمات کو عام کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حصول معرفت کے ذوق شناسوں کو قلبی سکون آپ کی بزم سے حاصل ہونے لگا، ایک روز اچانک آپ کو خواب میں اپنے مرشد کی زیارت ہوئی جس میں خانقاہ کے قیام کی نوید اور بشارت کی طرف اشارہ تھا دو مرتبہ آپ کو خواب میں اپنے شیخ کی طرف سے یہ مسرت آگیں مژدہ سنایا گیا۔ اس مسلسل خوش خبری کے بعد آپ نے باضابطہ خانقاہ ''قادریہ شفائیہ'' کے قیام کو عمل میں لاکر بزم ''صہبائے وحدت'' سجائی۔ اب اس بحر معرفت میں شناوری اور غواصی کرنے والوں کی تعداد میں ہر دن اضافہ ہوتا گیا بلکہ اس رجوع عام کو دیکھ کر ایک صاحب دل بزرگ حضرت حاجی اشرف علی صاحبؒ نے حضرت مفتی مکرم حسین صاحب سے فرمایا کہ آپ کے یہاں خلق خدا کا یہ ہجوم دیکھ کر حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے زمانے کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ باطن کی صفائی اور تزکیہ موجبِ نجات ہے، اس کی کدورت اور گندگی موجب ہلاکت اور بربادی کا سودا ہے۔ آپ کے یہاں سب سے پہلے سالک کی اصلاح اور تزکیہ کا آغاز نفس کی اصلاح سے شروع ہوتا ہے۔ کیوں کہ نفس ہی انسانی برائیوں کا محور ومرکز بلکہ سرچشمہ ہے۔ انسان کی تمام فلاح وصلاح کا مدار اور نقطہ آغاز نفس کشی اور نفس کی مخالفت ہے، کیوں کہ نفس ہی سے تمام برائیاں جنم لیتی ہیں اور نفس ہی کی چاہت اور اسی کی خواہش کی تکمیل کی خاطر انسان گناہوں کے دلدل میں پھنستا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ جھوٹ بولنا، حرام خوری کرنا زنا اور قتل و

غارت گری کرنا، بدنظری اور بدنگاہی کا مرتکب ہونا ظلم اور فساد پھیلانا وغیرہ اور اسی طرح دوسری برائیاں اور جرائم انسان نفس کی پیروی کی خاطر انجام دیتا ہے۔ غرض انسان کے اندر بدی کا محور نفس ہی ہے۔ اگر انسان کو نفس کی معرفت ہو جائے اور ساتھ ہی جسمانی اور نفسانی خواہشات کا زور کم ہو جائے تو روح اور روحانیت کے اندر قوت پرواز اور نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہر حال ہوائے نفس سے بیزاری سالک کی اصلاح میں پہلا قدم ہے حضرت کے یہاں اسی سے سلوک کی منزلیں طے کرائی جاتی ہیں۔

آپ کا سراپا یہ ہے کہ آپ مکمل مردانہ حسن کا شاہکار، شیریں لب ولہجہ، محبت واخوت سے لبریز آپ کا طرزِ تکلم، دل کو موم بنا دینے والی آپ کی چشم عنایت، حد درجہ تواضع اور انکساری، آسمان کی بلندیوں پر رہتے ہوئے زمین سے اپنا رشتہ باقی رکھنا اور اپنے آپ کو فنا کر دینا آپ کی باغ و بہار شخصیت کی شناخت ہے۔ غرض جمال ہی جمال، داعیانہ مزاج اور محبت وشفقت کے عناصر سے بنا ہوا آپ کا یہ ہیولیٰ سیرت رسول کے عکس کا عنوان اور اعلان ہے۔ میں نے کبھی آپ کو کسی سے سخت لہجے میں بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہر منفی بات کو اپنے حسن عمل سے نظر انداز کرنا اور اس منفی خیال کو مثبت پیکر میں ڈھالنا آپ کی زندگی کا خوبصورت نشان اور شان امتیاز ہے۔ میں نے خود ان لوگوں پر حضرت کے دامنِ شفقت کو وسیع ہوتے ہوئے دیکھا ہے، جو نہ صرف آپ کے بدخواہ تھے بلکہ انہوں نے حضرت کو ہر طرح سے تکلیف پہنچانے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام کی منظر کشی کی جائے تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ محبت کی تپش میں ہر دن اضافہ ہے، اب معیت الٰہی کا استحضار بڑھ رہا ہے، دل پر فکر آخرت کا غلبہ ہے، عشق ومحبت کی جو شراب آپ نے زندگی بھر پی ہے اس کا لطف بھی دل کے اندر سوز پیدا کر رہا ہے، پھر وہی سوز اور عشق الٰہی آپ کو بے چین اور مست رکھتا ہے، آپ دنیا سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا چاہتے ہیں، اب کسی چیز میں لطف نہیں آتا سوائے اپنے رب کی تنہائی میں یاد اور اس کے ذکر سے۔ اب اپنے رب سے راز ونیاز کے لئے تنہائی اور تخلیہ ہی آپ کے لئے راحت و سکون کا سامان ہے؛ بلکہ اب آپ کے دل میں محبت اور عشق کی ایسی آگ لگ چکی ہے کہ دل دنیا سے بیزار ہو گیا۔

مجھ کو اپنا ہوش اور نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں

آپ بزم رحیمیہ خانقاہ رائپور کی شبستان نور کی آخری کرن ہیں۔ علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کی اداؤں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا ہے کہ آپ اس عہد میں اپنے شیخ کی روحانی کہکشاں اور ان کے گلشن کے مہکتے پھول اور چمک دار موتی ہیں۔

فقہ وفتاویٰ

# آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

## کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سایہ مبارک تھا؟

سوال: کیا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سایہ مبارک تھا جیسا کہ عام انسانوں کا ہوتا ہے؟

جواب: مسند احمد بن حنبل میں دو جگہ صحیح اور مرفوع متصل السند کے ساتھ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنھا) کی روایت موجود ہے جس میں حضرت زینب (رضی اللہ عنھا) اور حضرت صفیہ (رضی اللہ عنھا) کے واقعہ کے تحت حضور کا عام انسانوں کی طرح سایہ مبارک ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہے؛ اس لئے اعتماد واعتقاد یہی ہونا چاہئے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا حقیقی سایہ مبارک تھا۔ (فتاوی قاسمیہ، ۱/ ۱۳۱)

## قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا حکم

سوال: اگر قرآن کے اوراق بوسیدہ ہوں یا کسی وجہ سے پھٹ جائیں، تو کیا کرنا چاہئے؟ کیا انہیں جلا دیا جائے یا پھر پانی میں بہا دیا جائے؟

جواب: اگر قرآن بوسیدہ ہوجائے اور اس سے استفادہ دشوار ہوجائے، یا اس کے کچھ اوراق بوسیدہ ہو جائیں، تو اسے ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے؛ لیکن ان اوراق کو آگ میں جلانا خلاف ادب ہے، اس سے اجتناب کیا جائے۔ (کتاب الفتاوی، ۱/ ۴۷۴)

## گھر کا رخ کس طرف ہو؟

سوال: بڑے لوگوں کا کہنا ہے کہ جب نیا گھر بنایا جائے تو قبلہ رخ ہو، اور اس کے دروازے سیدھی جانب کھلیں؛ ورنہ بدشگونی ہوگی۔

جواب: گھر کس طرح کا ہو؟ کس سمت میں ہو؟ اس کے دروازے اور کھڑکیاں کدھر ہوں؟ قرآن وسنت میں اس کی کوئی تحدید نہیں کی گئی ہے، یہ انسان کی سہولت اور ماہرین کے مشورے پر موقوف ہے؛ البتہ آپ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صرف اتنی ہدایت دی کہ بیت الخلاء ایسا نہ ہونا چاہئے کہ قضائے حاجت کرنے والے کا چہرہ یا پشت، قبلہ کی طرف ہو۔ باقی جس رخ پر اور جیسی سہولت ہو، مکان کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔ (کتاب الفتاوی، ۱/۲۶۹)

## ماہ محرم میں خواتین کا زینت ترک کرنا، اور شادی کو منحوس سمجھنا

سوال: بہت سی خواتین ماہ محرم میں زینت کو ترک کردیتی ہیں، اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا سوگ مناتی ہیں، اور اس مہینہ میں شادی کو منحوس سمجھا جاتا ہے۔ تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: شریعت میں عام رشتہ داروں کے لئے تین دن اور بیوی کے لئے چار مہینہ سے زیادہ سوگ منانے کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ لہذا ماہ محرم میں سوگ منانا، زینت کو ترک کرنا اور شادی بیاہ کو منحوس سمجھنا سراسر جہالت اور بے اصل ہے، اور روافض کی رائج کردہ خرافات میں سے ہے؛ اس لئے ان جاہلانہ رسومات کو ترک کرنا لازم ہے۔ (کتاب النوازل، ۱/۴۹۵)

## تعزیہ داری میں شرکت اور چندہ

سوال: تعزیہ داری میں شرکت کرنا، چندہ کرنا، ملیدہ بنا کر فاتحہ دینا، اور اس کو عوام میں تقسیم کرنا کیسا ہے؟

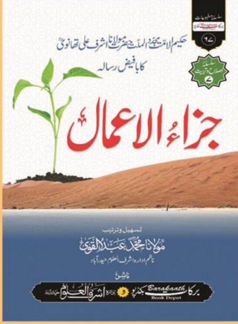
جواب: سوال میں ذکر کردہ تمام امور بدعت اور ناجائز ہے۔ (کتاب النوازل، ۱/۵۰۱)

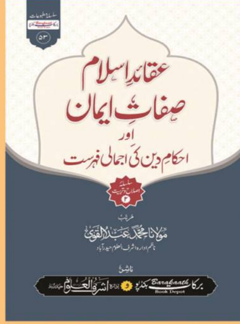
## کرنٹ کے بیاٹ سے مچھر وغیرہ کو مارنا

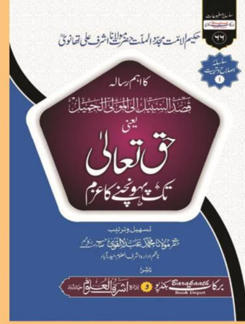
سوال: کرنٹ کے بیاٹ سے مچھر، مکھی یا کسی اور جاندار کو مارنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

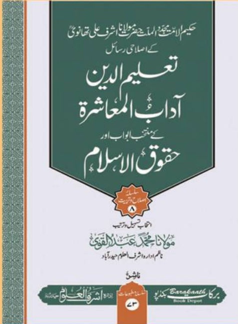
جواب: مچھر اور مکھی اور دوسرے کیڑے مکوڑے جو تکلیف دہ ہوتے ہیں ان کو دیگر ادویات وغیرہ سے مارا یا بھگایا جاسکتا ہے؛ لیکن جلانے کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے تاہم اگر جلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الفتاویٰ الھندیہ: ۵/۴۱۷)

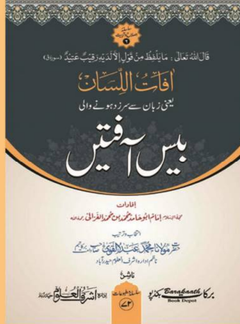
**ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-**
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/20-22
Date of Publication 3rd Aug-22, date of Posting 5th Aug-22

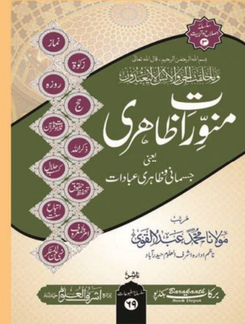


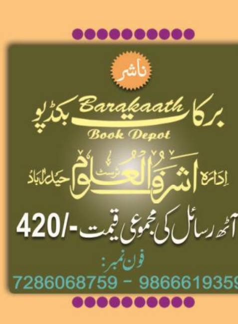



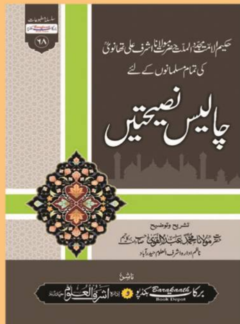



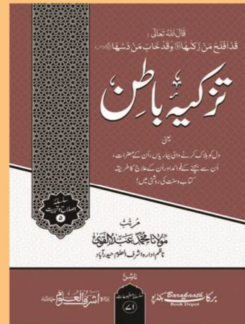




Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59